www.urducouncil.nic.in

مئی 2019 ، قیمت :- ₹10/-

ماھنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi







مشن شکتی

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش





تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش



اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:7 شمارہ:05 مئی 2019

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدر آباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں





آپس کی باتیں

دوستو! موجودہ دور سبقت اور مقابلے کا ہے۔ ہمیں زندگی کے ہر موڑ پر ان مراحل سے گزرنا ہے۔ آج ہر انسان اپنی منزل کے لیے کوششیں کر رہا ہے اور کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار ہے۔ لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ اس کامیابی کو پانے کے لیے کی جانے والی کوششوں میں ہم کتنے ایماندار ہیں اور ہمارا رویہ کیسا ہے۔ آخر کامیابی کہتے کسے ہیں؟ ہر انسان کی منزل مختلف ہوسکتی ہے۔ کچھ دولت حاصل کرنے کو کامیابی کہیں گے تو کچھ شہرت، عزت اور بڑے عہدے پر پہنچنے کو کامیابی کہیں گے۔ اسی طرح آپ سب کے لیے اپنے امتحانات میں اچھے مارکس لانا کامیابی کہلائے گا۔ ان ساری باتوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کامیابی آپ کی سوچ پر منحصر ہوتی ہے اور آپ کی سوچ، آپ کی خواہشیں یہ بتاتی ہیں کہ آپ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ خواہش آپ کو کہاں لے جا کر روکتی ہے۔ زندگی میں سب سے بڑی بات صبر اور شکر ہے۔ جہاں آپ نے یہ دونوں باتیں اپنالیں، آپ کامیاب ہوگئے، البتہ انھیں اپنانے کے لیے آپ کو اپنے طور طریقے میں تبدیلی لانی ہوگی۔ ہمارا رویہ کیسا ہے؟ ہم دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔ ہم ان سے کیسے پیش آتے ہیں یہ ساری باتیں ہماری کامیابی اور ناکامی کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص خود کو عاشق رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کے اعمال رسول کی زندگی کے بالکل خلاف ہیں۔ دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن عملاً ثابت کرنا مشکل ہے۔ حضور اکرم گرمی کی تیز دھوپ میں معذور عورت کی فریاد سنتے ہیں۔ صحابہ کرام کے پوچھنے پر فرماتے ہیں کہ میں اس کی بات نہیں سنوں گا تو کون سنے گا۔



دوستو! ہمارے اندر بھی یہ جذبہ ہونا چاہیے۔ تبھی ہم کامیابی کی سچی تعریف بیان کرسکیں گے۔ محض پیسہ کمانا اور خرچ کرنا کامیابی نہیں ہے۔ کامیابی تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی خوشی میں کسی ضرورت مند کو شامل کیا۔ آپ نے کتنے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیریں۔ آپ سب نے بھی اپنی زندگی کا کوئی مقصد بنایا ہوگا لیکن اس مقصد کو پانے کے لیے آپ کیا کر رہے ہیں۔ امتحانات کے دوران اپنی عادتوں کو بدلیں اور دوسروں کے بارے میں اچھا سوچیں۔ اگر آپ کسی کی مدد کریں گے تو یقیناً آپ اس سے بہتر حالت میں ہوں گے۔ اِس بات کو آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اگر آپ نے کسی کو 100 روپے دینے کے لیے سوچا ہے تو یقیناً آپ کے پاس ہزار روپے ہوں گے یا اگر آپ کسی کو تحفے یا انعام میں سائیکل دینا چاہتے ہیں تو آپ خود موٹر سائیکل یا کار سے چل رہے ہوں گے۔ اس لیے زندگی میں اچھی عادتیں کامیابی کی ضمانت ہیں۔

اسی دوران ایک اچھی خبر یہ آئی کہ ہمارے ملک نے دشمن کے سٹیلائٹ کو خلا میں ہی مار گرانے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے اور ہندوستان امریکہ، روس اور چین کے بعد چوتھا ایسا ملک ہے جس نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ اِس سے یقیناً ملک کے وقار کے اضافہ ہوگا۔

پیارے دوستو! بچوں کی دنیا کے اس شمارے کے ساتھ ہی اس رسالے کی عمر 6 سال ہوگئی ہے۔ جب جون 2013 میں ہم نے اس کا پہلا شمارہ شائع کیا تھا تو ہمارا مقصد یہ تھا کہ اردو میں بچوں کے لیے اچھا اور معیاری مواد فراہم کیا جائے۔ اس میں ہم کتنے کامیاب ہوئے ہیں یہ آپ کے خطوط ہمیں بتاتے رہتے ہیں۔ 6 برسوں کے اس سفر میں آپ سب نے ہمارے رسالے کو جس قدر پیار دیا ہے ہم اس کے لیے آپ سب کے شکرگزار ہیں۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم آپ سب کی پسند کے مطابق اس کو سجائیں، سنواریں اور آپ کے مشورے ہمارے لیے ہمیشہ سے قابل قبول رہے ہیں۔ ہمارا رسالہ بچے اور بڑے سب پسند کرتے ہیں۔ ادیبوں، شاعروں نے بھی ہمیں اپنی تحریروں سے نوازا ہے، ہم ان سبھی کے ممنون ہیں۔ آج پورے ملک میں بچوں کا یہ سب سے پسندیدہ رسالہ ہے۔ اسے اس مقام تک پہنچانے میں ہمارے ننھے منے قاری کا سب سے بڑا رول ہے۔ آپ سب 'بچوں کی دنیا' کو ایسے ہی پیار دیتے رہیں اور اپنے دوستوں، رشتہ داروں کو بھی 'بچوں کی دنیا' پڑھتے رہنے کی درخواست کریں۔ خوش رہیں، کامیاب رہیں!

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد



ڈاک خانہ

بچوں کی دنیا کے شمارے نظر سے گزرتے رہتے ہیں۔ ہر شمارہ واقعی اپنے اندر ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اس کے مضامین میں بڑا تنوع ہوتا ہے۔ وہ معلومات عامہ سے لے کر تفریح تک بچوں کے لیے بہت کچھ مہیا کراتا ہے اور سہل و عام فہم زبان میں۔ خاکسار نے بچوں کے لیے ادھر حال میں لکھنا شروع کیا تو بچوں کی دنیا کو ہی ان کاوشوں کے لیے مناسب جانا۔ یہ رسالہ اردو میں ادب اطفال کی کمی کو بڑی حد تک پورا کر رہا ہے۔ میری ایک تجویز ہے جو بچوں کی دلچسپی بڑھانے کا سبب بن سکتی ہے۔ بچوں کے لیے ہر ماہ ان کی دلچسپی کے موضوع پر کچھ مقابلے کرائے جاتے رہیں۔ مثال کے طور پر کچھ تصویریں دے کر ان پر کہانی بنانا یا نظم لکھنا۔ اس کے برعکس کوئی چھوٹی سی کہانی دے کر اس پر تصویریں بنانا۔ ظاہر ہے چھوٹے موٹے انعام بھی رکھنے ہوں گے۔ امید ہے اس پر غور کریں گے۔

ذکیہ مشہدی، پٹنہ بہار

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ہر ماہ مل رہا ہے۔ صوری و معنوی ہر دو اعتبار سے بہت ہی حسین ہوتا جارہا ہے۔ ایسے مضامین، کہانیاں اور نظمیں شامل ہورہی ہیں جنھیں بچے شوق سے پڑھتے ہیں اور اس میں شامل شدہ رنگین تصاویر بچوں کے شوق مطالعہ



میں اضافے کا باعث بن رہی ہیں۔ رسالے میں کئی بڑی ادبی شخصیات کا اضافہ بھی حیرت انگیز ہونے کے علاوہ قابل ستائش ہے۔ قسط وار کہانیاں دادا جان کی کہانی، زمین اور شہر میں جنگل دلچسپی کا خزانہ لیے ہوئے ہیں۔ ناچیز کا کہنا یہ ہے کہ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ہر گھر میں نظر آنا چاہیے۔ اتنا خوبصورت رسالہ جو ہر ماہ گھر گھر پہنچ جاتا ہے۔ قیمت صرف 100 روپے سالانہ۔ دعا ہے کہ اس کی ہر دل عزیزی میں مزید اضافہ ہو۔

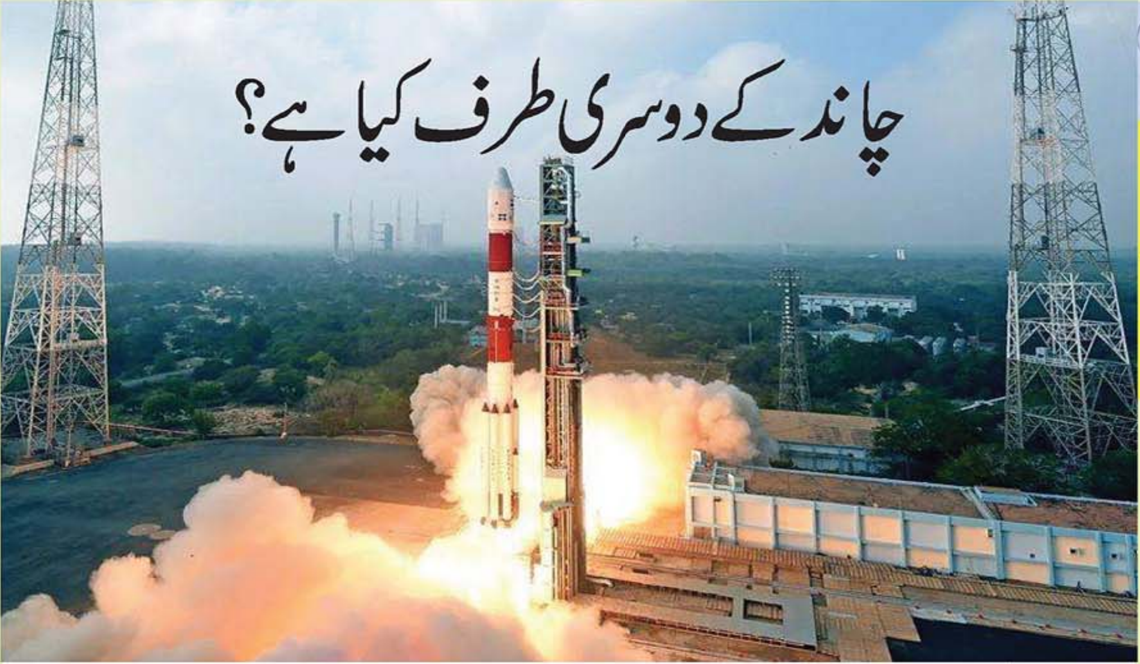
عبدالمتین جامی، اردو بازار، پوسٹ: پدما پور، ضلع کٹک، اڈیشہ

رسالہ 'بچوں کی دنیا' کافی مقبول ہے۔ شاید ہی کوئی رسالہ اتنی تعداد میں شائع ہوتا ہوگا۔ یہ سب آپ حضرات کی محنت کا اثر ہے۔ تازہ شمارہ (جنوری) پڑھ چکا ہوں۔ مضامین اور کہانیاں قابل مطالعہ ہیں۔ خلیق الزماں نصرت کا شمار بڑے محققین اور ناقدین میں ہوتا ہے۔ ادھر کچھ دنوں پہلے سے وہ بچوں کے لیے لکھنے لگے ہیں۔ ان کے بچپن کا ذکر پڑھ کر یہ پوچھنے پر مجبور ہوگیا کہ گذشتہ وقتوں میں 26 جنوری اور 15 اگست کو تہواروں کی طرح منایا کرتے تھے۔ سلام بن رزاق کی کہانی ممتا دوسری کہانیوں کی طرح اچھی ہے۔ ہم دونوں فنکاروں کی تخلیقات پر انھیں مبارکباد دیتے ہیں۔

محمد فرید قریشی، شاہ پور، فتح پور، یوپی



انیس الحسن صدیقی



چاند کے دوسری طرف کیا ہے؟

زمین کی سطح سے رات کے وقت سب سے زیادہ چمکدار چیز آسمان میں 'چاند' دکھائی دیتا ہے۔ یہ رات کے وقت اپنی روشنی یعنی چاندنی بکھیرنے کے لیے مشہور ہے۔ شاعروں نے چاند کی چاندنی کی تعریف اپنے خوبصورت اشعار میں بہت کی ہے۔ چاند پر بچوں کی کہانیاں بہت لکھی اور سنائی گئی ہیں۔ افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں اس کا خوب ذکر کیا ہے۔ دہلی میں چاندنی محل کے نام سے ایک محلّہ بھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں کبھی اس نام کی عمارت رہی ہوگی۔ دہلی کا مشہور بازار 'چاندنی چوک' کے نام سے آج بھی اُسی شان وشوکت سے موجود ہے۔ آگرہ شہر میں 'تاج محل' دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک عمارت ہے۔ یہاں غیر ملکی سیاح دُور دراز ملکوں سے اس عمارت کو چاند کی چاندنی میں دیکھنے آتے ہیں۔ 'چودھویں کا چاند' نام کی فلم اپنے زمانہ کی مشہور فلم تھی۔ ہر خوبصورت چیز کو چاند اور چاند کی چاندنی سے یاد کیا جاتا ہے۔ انسان نے اپنے خوابوں کی دنیا میں چاند کو دل سے اتنا چاہا کہ اُس کو حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔

ہزاروں سالوں سے چار سو سال پہلے تک چاند ہمارے لیے ایک پراسرار عجوبہ تھا۔ اس کے متعلق نا معلوم کیا کیا باتیں گھڑ رکھی تھیں۔ تمام تاریخ میں لوگوں نے چاند کی سطح پر ایک چہرہ جیسا دیکھتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ ابراہیم لنکن جو امریکہ کے مشہور و معروف صدر تھے انہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ انھوں نے چاند پر ایک آدمی دیکھا تھا۔ ہندوستان میں تو ابھی تک جن لوگوں نے چاند کو دوربین یا بائنا کلر کے ذریعہ نہیں دیکھا تھا چاند کو دیکھ کر بچوں کو بتاتے تھے کہ چاند میں بُڑھیا سُوت کات رہی ہے۔ حالانکہ جو چہرہ ہم خیال کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں وہ چاند کی سطح پر تاریک اور روشن علاقوں سے مل کر بنا ہوا ہے۔

آج سے چار سو سال پہلے بنیادی دُوربین کا استعمال

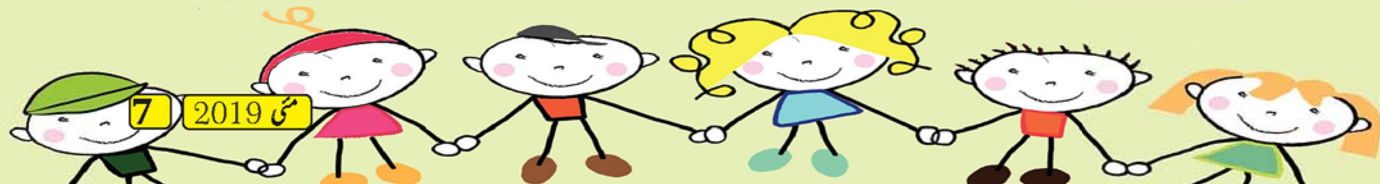


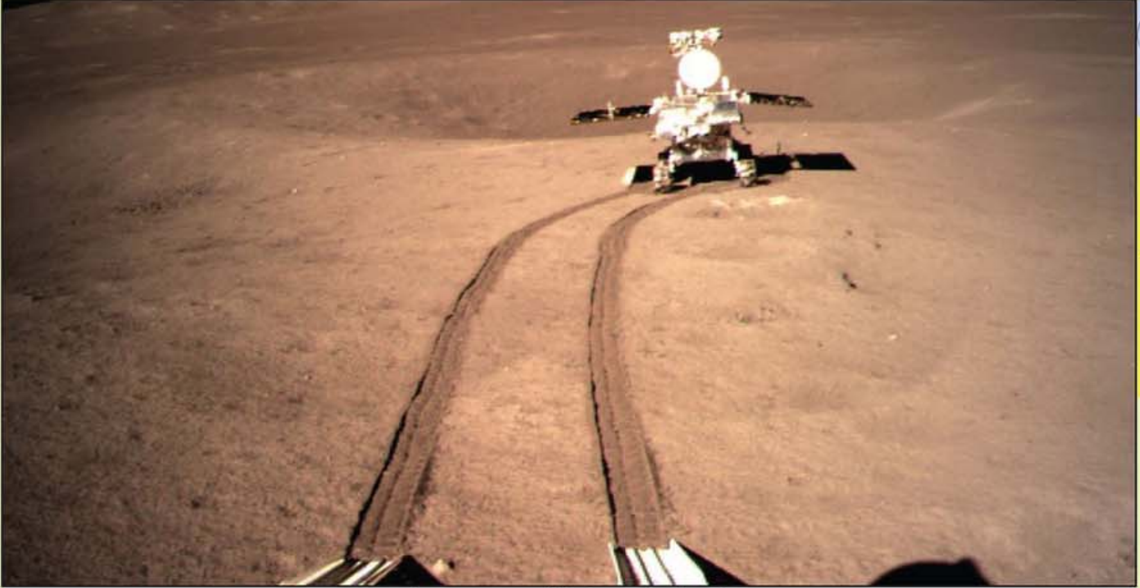
جاسوسی کرنے کے لیے فوج میں استعمال شروع ہوا تھا یا پھر بحری جہاز رانی کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔

اٹلی کے مشہور ریاضی داں و ہیئت داں گیلیلیو گیلیلی (1564-1642)[1] نے جاسوس دوربین کی نشو ونُما کی اور اُس کو آسمان میں دکھائی دینے والی چیزوں کو دیکھنے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی دوربین کے ذریعہ چاند کو دیکھ کر کے اُسے ایک چٹانی گیند کی مانند بتایا اور یہ بھی بتایا کہ چاند ہماری زمین کے گرد اپنے مدار میں چکر لگا رہا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ہماری زمین سورج کے گرد اپنے مدار میں اور سیاروں کی طرح چکر لگا رہی ہے۔ عام اور خاص آدمیوں کو اپنی دوربین کے ذریعہ چاند اور دوسرے آسمانی چیزوں کو بھی دکھایا۔ اُن دنوں یہ نئی نئی دریافتیں لوگوں کی سمجھ میں بڑی مُشکل سے آئی تھیں۔ اُس وقت سائنس کی دنیا میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ اُن کے ملک کی حکومت نے اُن کے آسمانی چیزوں کے غور سے معائنوں کے نتیجوں کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اُن کو یہ سزا دی کہ اُن پر سائنسی مقالے لکھنے کے لیے پابندی لگا دی تھی اور اُن کو اپنے گھر میں اُن کی دوربین کے ساتھ نظر بند کر دیا تھا۔ اِن سب سزاؤں کے باوجود وہ اپنی دوربین کے ذریعہ آسمانی چیزوں کے مُعائنے کرنے اور سائنسی مقالے[2] لکھنے سے باز نہ آئے۔ وہ چوری چھپے اپنے آسمانی چیزوں کے مُعائنے اور مقالے لکھ کر دوسرے ملک بھیجتے رہے۔ وہاں اُن کے مقالے شائع ہوتے رہے۔ وہ اپنی آخری عمر میں اپنی دوربین کے ذریعہ سورج کا مُعائنہ کرنے کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے۔ نابینا ہو کر بھی انہوں نے مقالے[2] لکھنے کا کام جاری رکھا۔ وہ اپنی لڑکی کو اِملا بول کر آخری دم تک لکھواتے رہے۔ اُن کے مقالے دوسرے ملکوں میں بہت مشہور ہوئے۔

اُن کی موت کے بعد تو دنیا کے تمام سائنسدانوں کے درمیان اپنی اپنی دوربین کے ذریعہ نظامِ شمسی[3] کی تمام آسمانی چیزوں کا مشاہدہ ہوا۔ یہاں تک کہ ہر روز آسمانی چیزوں کے بارے میں نئی نئی دریافتیں ہونے لگیں۔ گیلیلیو کے زمانہ میں اور اس کے بعد نظامِ شمسی کے تمام سیاروں کے چاندوں کے مُعائنوں کا سلسلہ جاری رہا اور یہ پایا گیا کہ نظامِ شمسی کے تمام سیاروں کے تقریباً 140 چاند پائے گئے جو اپنے اپنے سیاروں کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ تمام چاند اُن سیاروں سے چھوٹے پائے گئے جن کے گرد وہ چکر لگا رہے ہیں۔ اس لیے تمام چاندوں کو اُن سیاروں کے قُدرتی سیارچے[4] کہا گیا۔ ہماری زمین کا چاند ایک چٹانی گیند کی مانند ہے اور زمین کے سائز کے مقابلے میں اس کا سائز ایک چوتھائی ہے یعنی اس کا قُطر 3,476 کلومیٹر ہے جبکہ زمین کا قُطر 12,756 کلومیٹر ہے۔ زمین اور چاند کے درمیان فاصلہ بھی 3,84,00 کلومیٹر ہے۔

سائنسدانوں نے ریاضی کے ذریعے حساب لگا کر بتایا ہے کہ زمین اپنے محور (Axis) پر لٹو کی طرح ایک محوری چکر (Axis rotation) 23.94 گھنٹوں میں پورا کرتی ہے جو کہ زمین کے ایک دن اور ایک رات کے برابر ہے (یعنی سورج کے طلوع ہونے سے دوبارہ سورج کے طلوع ہونے تک) اور ساتھ ہی ساتھ سورج کے گرد اپنے مدار (Orbit) میں سورج کے گرد ایک طواف 27.79 کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے 365.25 دنوں میں پورا کرتی ہے جو کہ شمسی کلینڈر کا ایک سال ہے۔ اسی طرح چاند بھی اپنے محور پر لٹو کی طرح ایک





چین کے جہاں گرد مشین کی چاند کی سطح پر اُترنے کے بعد کی ایک تصویر

محوری چکر 27.32 دنوں میں پورا کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ زمین کے گرد اپنے مدار میں 1.02 کلو میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے 355 دنوں میں زمین کے گرد ایک طواف پورا کرتا ہے جو کہ قمری کلینڈر کا ایک سال ہے۔

چاند کی ایک طرف کی سطح دکھائی دینے کا راز کیا ہے؟

سائنسدانوں نے مندرجہ بالا آنکڑوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ زمین اور چاند کے چکر ہم وقتی چکر (Synchnous rotation) ہیں۔ جس کی وجہ سے زمین کی سطح سے ہمیشہ چاند کے ایک ہی طرف کی سطح دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے تمام تاریخ میں ہم اپنی زمین کی سطح سے چاند کا ایک جیسا چہرہ ہی دیکھتے رہے ہیں۔ دوسری طرف کی سطح کو چاند کی اندھیری سطح بھی کہا گیا ہے کیونکہ زمین کی سطح سے وہ سطح دکھائی نہیں دیتی ہے جبکہ چاند کی وہ سطح اندھیری نہیں ہے۔ اُس پر بھی سورج کی روشنی اُتنی ہی پڑتی ہے جتنی کہ اس سطح پر پڑتی ہے اور سورج کی روشنی پڑنے سے وہ سطح بھی اُتنی ہی چمکتی ہے۔

چاند پر سب سے پہلی انسانی پہنچ:

بیسویں صدی میں جو خلائی جہاز چاند کے پاس سے گزرے ہیں اُن کے ذریعہ چاند کے ہر طرف کی تصویریں اتاری گئی ہیں۔ اُن تصویروں میں چاند کے دوسری طرف کی سطح زیادہ خراب پائی گئی ہے یعنی اُس طرف کی سطح میں زیادہ گڈھے اور بڑے بڑے سوراخ ہیں جو چٹان اور لوہے جیسی دھاتوں کے بنے ہوئے ہیں۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اُس طرف کی سطح میں زیادہ آتش فشانوں نے سطح کو خراب یعنی ناہموار کیا ہے۔ اس لیے امریکہ اور روس اور چین کے جتنے بھی خلائی جہاز یا جہاں گرد مشینیں (Lunar Rovers) 5 چاند پر زمین کی طرف سے دکھائی دینے والی سطح پر اُتری ہیں کسی نے بھی چاند کے دوسری طرف کی سطح پر اپنی مشینیں یا سائنسی



آلات اُتارنے کی جرأت نہیں کی ہے۔ امریکہ کے خلا باز بھی زمین سے دکھائی دینے والی سطح پر اُترے ہیں۔ یہ سطح اُس سطح کے مقابلے میں زیادہ ہموار ہے اور اس پر چلنا پھرنا بھی آسان ہے۔ اسی لیے 20 جولائی 1969 میں نیل آرم اِسٹرانگ پہلا امریکن شخص تھا جس نے چاند پر قدم رکھا تھا۔ اگلے سال امریکہ کے گیارہ خلا بازوں نے بھی اسی جیسا کیا تھا۔ وہ چاند کی اس سطح پر گنتی کے لمحات میں ادھر اُدھر گئے تھے۔ اگر وہ وہاں پر چند گھنٹے اور بھی گزارتے تو نہ معلوم کون سے حادثے کا شکار ہو سکتے تھے اور واپس بھی نہیں آپاتے۔ انھوں نے جو مشینی آلات وہاں چھوڑے ہیں وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ چاند کی سطح پر اکثر زلزلے آتے ہیں جو بالکل زمین کے کمزور زلزلوں کی طرح ہیں۔ ایک خلا باز(Astronaught) 6 کا وزن اگر 81.8 کلوگرام ہو تو اُس کا وزن چاند پر 13.6 رہ جاتا ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ چاند کی کشش (Gravity) 7 بمقابلہ زمین کم ہے۔ چاند کی سطح چٹانی ضرور ہے لیکن اُس پر زندگی کے آثار نہیں پائے گئے ہیں۔ چاند پر نہ تو ہوا ہے، نہ موسمی حالات اور نہ ہی پانی ہے۔ بغیر موسم کے وہاں کی سطح اربوں سالوں سے ویسی ہی ہے۔ رات کے وقت چاند کا درجۂ حرارت بمقابلہ زمین کے زیادہ ٹھنڈا ہے اور دن کے وقت وہاں کی سطح اُبلتے ہوئے پانی سے بھی زیادہ گرم ہے۔ چاند کی سطح پر کسی بھی وقت شہابِ ثاقب(Meteorid) 8 گر سکتا ہے اور اکثر گرتے رہتے ہیں۔ وہاں خلا باز (Astronaught) 9 کسی بھی وقت کسی بھی حادثہ کا شکار ہو سکتے ہیں۔ 1976 میں سوویت یونین (روس) نے بھی اپنا لونر۔24 (Lunar-24) زمین سے دکھائی دینے والی چاند کی سطح پر کامیابی کے ساتھ اُتارا تھا۔

چاند کی طرف ہندوستان کے بڑھتے قدم

14 نومبر 2008 کو ہندوستان کے سیارچہ چندریان۔



چاند کے دوسری طرف کی ایک اور تصویر جس میں بہت ہی زیادہ گڈھے اور سوراخ ہیں۔



اول نے اپنے مُون پروب آلہ (Moon Probe Instrument)[10] کو چاند کی زمین سے دکھائی دینے والی سطح پر ہی کامیابی سے اُتارا تھا۔ اس آلہ پر ہندوستان کے ترنگے پرچم کی مہر لگی تھی۔ چندریان۔اول میں گیارہ آلات نسب تھے جن میں سے چھ عدد خارجی ملکوں یعنی تین عدد یورپ اسپیس ایجنسی کے تھے جو چاند کا نقشہ بنانے کے سلسلے میں تھے۔ دو عدد امریکہ کی خلائی ایجنسی ناسا کے تھے جو چاند پر برف اور پانی تلاش کرنے کے لیے تھے۔ ایک عدد بلغاریہ کا تھا جو چاند کی ریڈیشن (Radiation)[11] ناپنے کے لیے تھا۔ پانچ عدد خالص ہندوستانی تھے جن کے ذریعہ چاند میں موجود دھاتوں کے بھنڈاروں کا، چاند کے سطح کی حالت، چاند کی سطح سے چندریان۔ اول کی صحیح اونچائی کا ہر وقت بتانا اور چاند کی تصویریں اُتارنا وغیرہ شامل تھا۔ اس مصنوعی سیارچہ کا وزن 1380 کلوگرام تھا۔ یہ سیارچہ چاند کی سطح سے 100 کلومیٹر کی اونچائی پر ان گیارہ آلات کے ساتھ چاند کے گرد اپنے مدار میں چکر لگاتے ہوئے چاند کے تمام آنکڑوں کو دو سال کی مدت تک اکٹھا کرتا رہا تھا۔ ایک خبر آئی ہے کہ 2021 میں ہندوستان اپنے خلاباز کو خلا میں بھیجنے کی تیاری کر رہا ہے۔

3 جنوری 2019 کو چین کے برجیونگ خلائی پروگرام کے تحت اس کا خلائی جہاز چینگی۔ چہارم پروب (Chang'e-4 Probe) چاند کے دوسری طرف کی سطح جو زمین سے دکھائی نہیں دیتی ہے وہاں پہنچ گیا تھا۔ یہ خلائی جہاز چاند کے دوسری طرف کی سطح کے جنوبی علاقہ جو ایٹکن بیسن (Aitken Basin) کہلاتا ہے اُس کے گڈھے وون کرمان (Von Karman) میں اُتر گیا تھا۔ یہ اس علاقہ کا سب سے بڑا، گہرا اور قدیمی گڈھا ہے۔ یہاں خلائی جہاز چینگی۔چہارم پروب نے اپنی جہاں گردمشین (Rover) جیڈ خرگوش۔دوم (Jade Rabbit-2) کو اپنے سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اس خلائی جہاز پروب میں ایک منی پودگھر بھی ہے جو اُس جگہ یہ جانچے گا کہ کتنی اچھی طرح پودے خاص طور پر آلو اور چھوٹے پھول (Arabidopsis plants) جو کہ گوبھی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، کیا چاند پر اُگائے جا سکتے ہیں؟

اگر چین اس مشن میں کامیاب ہو گیا تو چاند کو نظامِ شمسی کے دوسرے سیاروں پر جانے کے لیے ایک اسٹیشن کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حواشی

1۔ بحوالہ کتاب 'گیلیلیو گیلیلی کی کہانی اُن کی زبانی' مصنف انیس الحسن صدیقی، (2018)، ناشر قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی۔25

2۔ مقالہ (جمع) مقالے۔ مضمون جو اہلِ علم میں پڑھ کر سُنایا جائے یا شائع ہو۔

3۔ نظامِ شمسی (Solar system) یعنی سورج کے گرد چکر لگانے والے سیارے اور دوسری چیزیں۔

4۔ سیارچہ (جمع۔ سیارچے) (Satellite) یعنی طفیلی سیارہ جو کسی بڑے سیارے کے گرد چکر لگائے۔ زمین سے چھوڑا ہوا مصنوعی سیارچہ۔ ہماری زمین بھی ایک سیارہ (چکر لگانے والا) ہے۔

5۔ جہاں گرد مشین (Lunar Rover)۔ چار پہیوں کی گاڑی جو چاند کی سطح پر اُتاری گئی اور چاند کی سطح پر اُترنے والے خلابازوں نے اس کو چاند پر اِدھر اُدھر جانے کے لیے استعمال کیا۔ بحوالہ کتاب ''چلو چاند پر'' مصنف انیس الحسن صدیقی، (2018) ناشر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی۔ 110025۔

6۔ خلاباز (Astronaught) یعنی وہ آدمی جس کو خلا میں سفر کرنے



کی تربیت ملی ہو۔ (خلا یعنی وہ خالی جگہ جہاں کوئی چیز واقع ہو یا نہ ہو۔ زمین کے ہوائی کُرہ کے باہر کی جگہ سے مُراد ہے۔ زمین کا ہوائی کُرہ، زمین کی سطح سے ہر طرف 500 کلومیٹر اونچائی تک ہے یعنی جہاں تک ہوا پائی گئی ہے۔ اُس کے بعد ہوا نہیں ہے۔

7۔ کشش (Gravity) یعنی ہر وہ چیز جو ماڈہ (کچّا مال) رکھتی ہے اُس میں اپنی طرف کھینچنے کی طاقت ہوتی ہے۔ جس چیز میں جتنا زیادہ ماڈہ ہوگا وہ اُتنی طاقت سے اپنی طرف کھینچے گی گی۔

آسمان میں سورج، چاند، سیاروں اور ستاروں وغیرہ میں اپنی اپنی طرف کھینچنے کی طاقت اپنے ماڈہ کی وجہ سے ہے۔ زمین کے مقابلہ میں چاند کی کشش کم ہے اس لیے چاند زمین کی کشش سے اُس کے گرد چکر لگا تا ہے اور سورج کی کشش زمین کے مقابلہ میں کم ہے اس لیے زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔

8۔ شہابِ ثاقب (Meteorid) یعنی خلا میں خلائی ملبہ کے چھوٹے چھوٹے دھاتی یا چٹانی ٹکڑے پڑے ہوتے ہیں اور آسمانی چیزوں کی کشش سے وہ اُن پر اکثر گرتے رہتے ہیں۔

9۔ خلاباز (Astronaught) یعنی وہ آدمی جسے خلا میں سفر کرنے کی تربیت دی گئی ہو۔

10۔ مُون پروب آلہ (Moon Probe Instrument) یعنی ایسا آلہ جس کے ذریعہ چاند کے بارے میں چھان بین کی جا سکے۔

11۔ ریڈیشن (Radiation) یعنی شعاعوں سے نکلنے والی توانائی (گرمی)۔

■

A.H. Siddiqui
679, Sector-22B
Gurugram-122015
Mob: 9654949434

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا رچاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.. بتاریخ...

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: SYNB0009009، A/C: 90092010045326 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

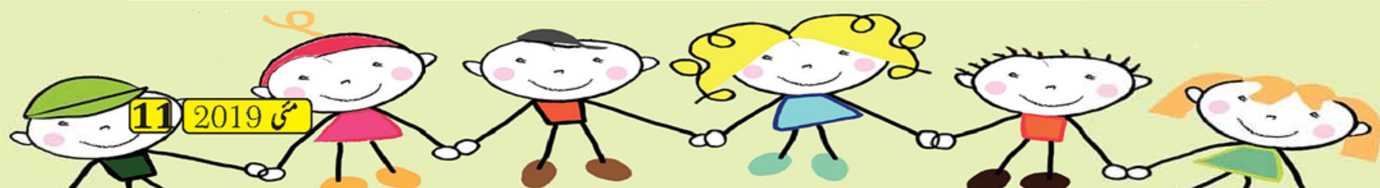
....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط



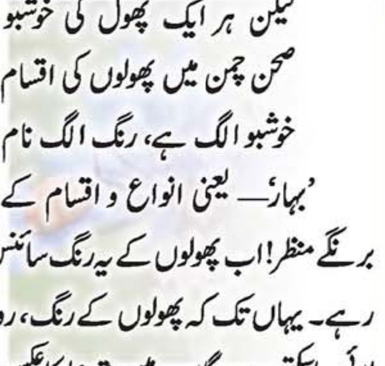
عظیم اقبال

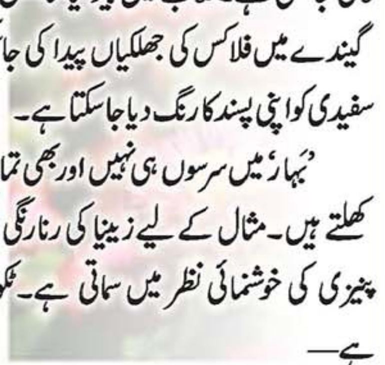
مضمون

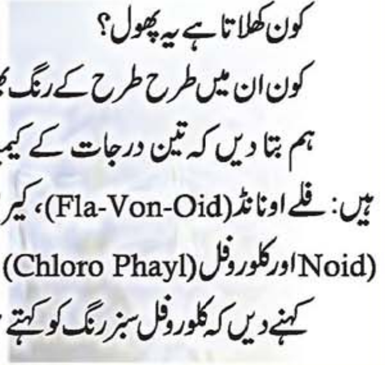
گلوں میں رنگ بھرے





ایک شاعر کے بقول:

باغوں میں پھول کھلتے ہیں خوش رنگ خوش نما
لیکن ہر ایک پھول کی خوشبو جدا، جدا
صحن چمن میں پھولوں کی اقسام ہیں الگ
خوشبو الگ ہے، رنگ الگ نام ہیں الگ

'بہار'— یعنی انواع و اقسام کے پھولوں کے رنگ برنگے منظر! اب پھولوں کے یہ رنگ سائنس کے لیے راز نہیں رہے۔ یہاں تک کہ پھولوں کے رنگ، روپ میں تبدیلی بھی لائی جاسکتی ہے۔ گلاب میں پیٹونیا کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔ گیندے میں فلاکس کی جھلکیاں پیدا کی جاسکتی ہیں اور بیلے کی سفیدی کو اپنی پسند کا رنگ دیا جاسکتا ہے۔

'بہار' میں سرسوں ہی نہیں اور بھی تمام اقسام کے پھول کھلتے ہیں۔ مثال کے لیے زینیا کی رنا رنگی دیکھی جاسکتی ہے۔ پنیزی کی خوشنمائی نظر میں سماتی ہے۔ ٹکوما کی کشش لبھاتی ہے—

کون کھلاتا ہے یہ پھول؟

کون ان میں طرح طرح کے رنگ بھرتا ہے؟

ہم بتا دیں کہ تین درجات کے کیمیا رنگ پیدا کرتے ہیں: فلے اونائڈ (Fla-Von-Oid)، کیریونوئڈ (Cherio - Noid) اور کلوروفل (Chloro Phayl)۔

کہنے دیں کہ کلوروفل سبز رنگ کو کہتے ہیں۔ جانئے کہ:



"Any of a group of qelated, Green pigment, found in Plants that trap energy from sunlight for use of photosyn thesis"

یہ پودوں کے پتوں میں اور پھولوں میں سبز رنگ پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

کیرون فرائڈ: زرد، زعفران اور نارنجی رنگ پیدا کرتا ہے۔ یہ سورج مکھی، گیندے اور سرسوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے:

"Any of various later solu ble yellow pigments"

فلے اونائڈ: سرخ سے نیلے تک طرح طرح کے رنگ پیدا کرتے ہیں۔ گلابوں میں رنگ بھرنے کے لیے یہی ذمے دار ہیں۔ ان کے ملاپ سے مختلف رنگوں کے پھول پیدا ہوتے ہیں۔

ان کیمیاجات کے علاوہ پھولوں کے رنگ مٹی میں موجود تیزابی عناصر، نیز موسم کی سردی اور گرمی سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ دارالتجربہ میں تیزابیت کی تخفیف یا توسیع سے 'پینونیا' مورنی گلوری کے پھولوں کے رنگ میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ اب ان کی وراثت یا ہیریڈیٹی (Heredity) کی سطح پر بھی بدلاؤ کیا جاسکتا ہے۔

یہ تجربہ امریکہ میں میری لینڈ کے بیلن وِل میں واقع زراعتی تجرباتی اسٹیشن کے فلورل اینڈ نرسری پلانٹس یونٹ میں ڈاکٹر رابرٹ گرسیں بیک کے زیرنگرانی چلا ہے۔ ان کے بقول اب پھولوں میں رنگ پیدا کرنے والے ذرات یا Pigments کو محدود کرنے والے ذرات کا پتہ چل گیا ہے۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ نیلے گلاب یا دیگر رنگوں کے گلاب پیدا کیے جاسکیں۔ جلد ہی بازار میں ایسے پھول آجائیں گے، جن میں آپ کی پسند کا رنگ ہو—

اس طرح پھولوں کا روپ بھی بدلا جاسکتا ہے۔ مثلاً انھیں بڑا یا چھوٹا کیا جاسکتا ہے۔ انھیں گول، چوکور یا تکونا بنایا جاسکتا ہے۔

یوں جین (Gene) میں تبدیلی سے یہ سب ممکن ہے۔ مستقبل میں ان سب کا برا اثر ماحولیات، تتلیوں اور شہد کی مکھیوں پر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔

دراصل قدرت نے تو پھولوں میں رنگ تتلیوں، بھونروں





اور شہد کی مکھیوں کے لیے بھرے ہیں۔ وہ ان رنگوں سے ہی نہیں، پھولوں کی پنکھڑیوں کی چمک سے بھی مائل ہوتی ہیں۔ وہ پھولوں کا رس چوسنے کے لیے آتے ہیں اور یوں انجانے میں ہی پھولوں میں ذرات ڈال جاتے ہیں۔ ان سے بیج بنتا ہے۔ بیج طرح طرح سے پھل کر پھولوں، پودوں کا خاندان بڑھاتا ہے۔ پھولوں پر پڑی دھاریاں ان کیڑوں اور پتنگوں کو پھولوں کے رَس تک پہنچانے کا راستہ بناتی ہیں۔ ہلکے اور سفید رنگ انھیں اپنی طرف نہیں کھینچتے ہیں۔ انھیں بھی شوخ رنگ بھاتے ہیں۔ شہد کی مکھیاں الگ الگ، رنگ پہچاننے کی اہلیت رکھتی ہیں۔

اپنے پیروں کے لمس سے پنکھڑیوں کے کھردرے پن اور چکناہٹ میں تمیز کر کے شہد کی مکھیاں یہ شناخت کر لیتی ہیں کہ کسی پھول میں عمدہ رس ملے گا یا نہیں۔

اب سے سو برس قبل جب چیکوسلواکیہ کے ایک گاؤں کے راہب گریگور مینڈل نے طرح طرح کے رنگ والے پھول پیدا کیے اور جینیاتی اصول بنا کر اس جینیاتی اصول کی نیوڈالی تو انھیں کیا پتہ تھا کہ ایسی جینیاتی علم سے پیدا شدہ بایوٹیکنولوجی پھولوں کے رنگ بدلنے میں مہارت پالے گی۔

ایک عرصے تک طرح طرح کے پھولوں کے رنگ ہی رنگائی کے کام آتے تھے۔ یہ قدرتی رنگ نہ آنکھوں کو کوئی نقصان پہنچاتے تھے، نہ جلد کو۔

تقریباً سو سال پہلے انگریز کیمیا گر، ولیم ہنری بارکن نے اولین مصنوعی رنگ بنا ڈالا۔

دوسری جانب پھولوں کے رنگوں Pigments کے کیمیاتی اجزا کا علم حاصل ہوگیا۔ یوں کھیتوں کے بجائے تجربہ گاہوں اور کارخانوں میں رنگ بننے تھے۔

آپ کو یاد ہوگا، آپ کے قصبے میں، آپ کے بچپن میں 'ٹیسو' کے پھولوں کو پانی میں بھگو کر ان کے زرد رنگ میں رنگے کپڑے بسنت کے موقعے پر پہنے جاتے تھے۔

جدیدیت کے دور میں سب کچھ مصنوعی ہوتا جارہا ہے۔ رنگ بھی بناوٹی ہوگئے ہیں۔ لیکن ان بناوٹی (Synthetic) رنگوں میں سے بیشتر کینسر (Cancer) پیدا کرنے والے نکلے اوران پر پابندی عائد کردی گئی۔

اب پلٹ کر دنیا پھر سے قدرتی رنگوں کی جانب مڑ رہی ہے۔ مختلف تجربہ گاہوں میں پودوں سے رنگ بنانے میں تیزی آئی ہے۔ جموں میں واقع ایس آئی آر کی علاقائی تحقیق گاہ میں ہلدی سے قدرتی رنگ نکالا گیا ہے۔ اس تکنالوجی کو ویتنام سے فروخت کردیا گیا ہے۔

پھولوں کا کھلنا روشنی اور حرارت سے کنٹرول ہوتا ہے۔ کچھ پودوں کو بڑا دن پسند ہے، کچھ کو چھوٹا اور کچھ کو ان دونوں کے درمیان کا—

روشنی اور درجۂ حرارت میں کمی بیشی سے کچھ ہارمونز کنٹرول ہوتے ہیں۔ یہ پھولوں کو کھلنے یا نہ کھلنے کے لیے تحریک دیتے ہیں۔

عزیز دوستو!

دنیا میں یکسانیت نہیں، نیرنگی ہے۔ یہ خدا کی عظمت کا اعلان ہے۔ قرآن کریم کا دل 'سورہ رحمٰن' آپ نے یقیناً پڑھا ہوگا۔ بتائیں کہ خدا کی کن کن نعمتوں سے انکار کریں گے۔

■

Azim Iqbal
Adabistan, Ganj No 1
Bettiah - 845438 (Bihar)





محمد زاھد



میٹرو ریل

ہندوستان میں ریل نقل وحمل کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک کے مقامات اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ چاہے سیر وتفریح ہو یا مذہبی سفر، دیس سے پردیس جانے کا معاملہ ہو یا شادی بیاہ کی تقریبات؛ ریل گاڑی کے بغیر کسی کا کام نہیں چلتا۔ بڑے شہروں میں لاکھوں لوگ مضافات سے روزی روٹی کمانے کے لیے صبح سویرے آتے ہیں اور رات ہوتے ہوتے واپس چلے جاتے ہیں۔

کلکتہ، بمبئی، دلی اور مدراس کا شمار ہندوستان کے سب سے بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ یہ نہ صرف اپنے صوبے کی راجدھانی ہیں بلکہ صنعت وحرفت اور ادب وثقافت کے مرکز ہیں۔ کلکتہ مشرقی ہندوستان کا دل ہے، اس لیے یہاں لوگوں کی آمد ورفت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ دور دراز سے لوگ بذریعہ ہوائی جہاز، ریل یا بس شہر میں آتے جاتے ہیں لیکن شہر کے اندر سفر کرنا ایک دشوار مسئلہ ہے۔ راستے کم ہیں اور بسوں، ٹیکسیوں، آٹو رکشا، رکشا وغیرہ کی تعداد بہت زیادہ ہے جس سے سفر میں جام (JAM) کی دشواری آتی ہے۔ تیز اور ہموار سفر کے لیے بڑے غور وخوض کے بعد زمین دوز ریلوے سسٹم کو رائج کرنے کے بارے میں حکومت نے سوچا اور 70 کی دہائی میں اس پروجیکٹ پر عمل آوری شروع ہوئی۔

ہندوستان میں بسے لوگوں کے لیے یہ ایک خواب تھا کہ زمین کے اندر ریل کس طرح چلے گی۔ گاؤں والوں کو لگتا ہے کہ یہ ایک مذاق ہے یا الف لیلہ کا کوئی قصہ۔ گرچہ ہندوستان کے باہر یہ ریلوے سسٹم کئی شہروں میں کامیابی کے ساتھ رائج ہو چکا تھا لیکن ہمارے ملک میں یہ پہلی بار ہونے والا تھا۔ کئی برسوں کی کھدائی کے بعد زیر زمین ریل کی پٹریاں بچھیں، اسٹیشن بنے اور صرف 4 کلومیٹر کے دائرے میں رہ کر 1984



میں میٹرو ل ریل کی سروس کا آغاز ہوا۔ پہلے پہل شہر کے قلب میں واقع دھرم تلہ یا اسپلینڈر (Esplander) سے بھوانی پور تک زیرزمیں ریل چلی تو ایک تاریخی کام انجام پایا۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے ٹالی گنج تک، پھر بیل گھیا تک، اس کے بعد دم دم ایئرپورٹ تک اور آخر میں گڑیا (Garia) تک میٹرو ریل چلنے لگی۔ کلکتہ آنے والا کوئی شخص اسے دیکھے اور اس میں سفر کیے بغیر نہیں جاتا تھا۔ اتنے دنوں میں میٹرو ریل نے صبح شہر کے مختلف دفتروں میں جانے والے لوگوں کو لانے اور لے جانے کا فریضہ انجام دیا۔ مریضوں کو اسپتالوں تک پہنچانے میں سہولت فراہم کی۔ ساتھ ہی زائرین اور سیاحوں کو ان کے پسندیدہ مقامات تک لے جانے میں رہنمائی کی گئی ہے۔

میٹرو ریل کی پٹریاں زمین کے اندر سرنگ نما حصہ میں بچھی رہتی ہیں جن پر ٹرینیں تیزی سے دوڑتی ہیں۔ پلیٹ فارم تک جانے کے لیے سیڑھیاں بنی ہیں۔ اب تو خودکار سیڑھیاں (Escalator) لگ گئی ہیں جن پر کھڑے ہوکر اوپر سے نیچے یا نیچے سے اوپر لوگ جاتے ہیں۔ اسٹیشن پر کاغذ والے ٹکٹ ملتے ہیں یا پھر پلاسٹک کے گول سکے جیسی چیزیں چلتی ہیں جنھیں خودکار دروازوں میں ڈالنے سے وہ خود بخود کھل جاتے ہیں۔ انجن کے ساتھ 8 یا 10 ڈبے لگے رہتے ہیں جن میں بیٹھنے کا انتظام ہوتا ہے۔ سفر کرتے وقت ریل گاڑی کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ اب ایئرکنڈیشن ڈبوں کا چلن عام ہورہا ہے۔ اس سے وقت بچتا ہے اور آرام کے ساتھ سفر پورا ہوتا ہے۔

کلکتہ میں میٹرو ریل کی کامیاب شروعات کے بعد ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی اس سروس کے رائج کرنے کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ ملک کی راجدھانی دلی میں چونکہ زمین کم اور بہت سخت ہے اس لیے یہاں کھدائی کرنے کے بجائے کھمبے تیار کیے گئے اور ان کو جوڑ کر اس پر پٹریاں بچھائی گئیں اور کامیابی کے ساتھ میٹرو ریل چلی۔ اب دلی کے رہنے والے بڑے آرام کے ساتھ شہر کے ایک کونے







سے دوسرے کونے تک کا سفر کرلیتے ہیں۔ اترپردیش کی راجدھانی لکھنؤ میں کھمبوں کا استعمال کیا گیا اور کچھ فاصلے تک میٹرو ریل کی خدمات حال ہی میں شروع ہوئی ہیں۔ ملک کے دوسرے شہروں مثلاً جے پور، بنگلور، بھوپال وغیرہ میں بھی یہ پروجیکٹ زیرغور ہے۔

ہگلی ندی کے دو کناروں پر کلکتہ اور ہوڑہ دو شہر آباد ہیں۔ اب میٹرو ریل کے ذریعے ندی کے اندر سے سرنگ بنا کر اس میں میٹرو ریل چلانے کی تیاریاں چل رہی ہیں۔ کافی کام ہو چکا ہے۔ کئی اسٹیشن تیار ہو چکے ہیں۔ امید ہے آئندہ سال سے یہ دونوں شہر زیر زمین ریل سے جڑ جائیں گے۔ اس سے لوگوں کو ندی پار کرنے میں آسانی ہوگی۔ ساتھ ہی دور دراز جانے والے لوگ ان دونوں شہروں کے کسی بھی علاقے سے ہوڑہ اور سیالدہ اسٹیشن کا استعمال کرسکیں گے اور اپنے گاؤں جاسکیں گے۔ یہ ٹرین گڑیا سے لے کر سانترا گاچھی تک چلے گی۔ اس میں حیرانی کی بات نہیں کیونکہ آج سے تقریباً سو سال پہلے زیر دریا سرنگ بنا کر بجلی کے کیبل کلکتہ سے ہوڑہ پہنچے تھے۔ انگریزوں نے یہ تکنیک استعمال کی تھی۔ ہندوستان کے باہر اس تکنیک کا استعمال کرکے سمندر میں سرنگ بنا کر اس میں بعض مقامات کو جوڑنے کے لیے میٹرو ریل چلتی ہے۔

میٹرو ریل سائنس کا ایک نادر تحفہ ہے۔ اس کے ذریعے فاصلوں کو کم کیا جاسکتا ہے اور آسائش کے ساتھ سفر کیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان دھیرے دھیرے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھ رہا ہے۔ نئی نسل کو عصری تعلیم اور سائنس سے قریب لانے کی ضرورت ہے تاکہ ہم اپنے وطن کے لوگوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرسکیں اور غیر ملکوں پر انحصار کو کم کیا جاسکے۔

■

Dr. Mohd Zahid
B-5, Garden Reach
Kolkata - 700024 (West Bengal)



مناظر عاشق ہرگانوی

نظم



بلّی خالہ

روز ہی میرے گھر آتی ہے بلّی خالہ
میں بھی اس کو آگے بڑھ کے وِل کم کرتا
آنکھ ہے چھوٹی، پلک بڑی تو دُم ہے لمبی
جسم پہ اس کے گون ہے اجلے مخمل کا ہی
آتے ہی وہ ڈائننگ ٹیبل پر چڑھ جاتی
میاؤں میاؤں بولتی اپنی دُم بھی ہلاتی
یعنی کہتی کھانا لاؤ مجھ کو کھلاؤ
میرا حصہ دودھ کہاں ہے، وہ بھی لاؤ
بلی خالہ گھر بھر کی جو ٹھہری خالہ
میں بھی اس کو دودھ بڑھاتا ایک پیالہ
کھاتی ہے تو چپڑ چپڑ آواز بھی ہوتی
چاٹتی پیالے کو وہ اتنا کہ دھو دیتی
گھر کے سارے لوگ ہیں اس سے پیار جتاتے
پیٹھ کو اس کی اپنے ہاتھوں سے سہلاتے
خالہ کو ہے مرغ و ماہی سے بھی رغبت
ان کھانوں کی جانے ہے وہ خوب ہی لذت
شہلا اُس کی اِس چاہت کو خوب سمجھتی
گوشت کی بوٹی آہستہ سے ایک بڑھاتی
بلی خالہ فوراً اس کو چٹ کرجاتی
پھر ٹیبل سے کھاکر فرش پہ جست لگاتی
تھینک یو! پونچھ بلا کے وہ سب کو کہتی
بعد اس کے پھر چھا جاتی ہے اس پر مستی
دھیرے دھیرے آجاتی ہے صوفہ سٹ پر
سوجاتی ہے پاکر وہ آرام کا بستر
یوں سوتی کہ ہے نہیں دشمن اس کا کوئی
خود کو سمجھتی اس گھر کی وہ ملکہ کوئی

■

Prof. Manazir Ashiq Harganvi
Kohsaar, Bhikanpur-3
Bhagalpur - 812001 (Bihar)
Mob: 9430966156



آرزو

غضنفر

ڈھم ڈھم ڈھم ڈھم ڈھولک باجے
چھم چھم چھم چھم بھالو ناچے
ٹھمک ٹھمک کر مادھو ناچے
مٹک مٹک کر راگھو ناچے
چھوٹا بھیّا بھٹّو ناچے
ہر پنجرے کا مٹھو ناچے
سونڈ اٹھا کر ہاتھی ناچے
ہاتھی کا ہر ساتھی ناچے
ہِن ہِن کرکے گھوڑا ناچے
گھوڑے کا ہر جوڑا ناچے
بھابھی ناچے بھیا ناچے
تاتا تاتا تھیّا ناچے
گورا ناچے کالا ناچے
دھرتی کا دل والا ناچے
گھنگرو چھن چھن چھن ناچے
چوڑی ناچے، کنگن ناچے
ننھی بھی تو پائل باندھے
اپنے ننھے پاؤں کو سادھے
مٹک مٹک کر چھم چھم ناچے
پاؤں پٹک کر دھم دھم ناچے
ایسا کوئی موسم آئے
مستی میں ہر من لہرائے

■

Ghazanfar
Aligarh - 202001 (UP)

مکڑا

اشتیاق احمد راشد



شیفا آؤ، دیکھو مکڑا
مکّھی کو کیسے ہے پکڑا
کیڑا زیادہ پیروں والا
بُنتا ہے جالوں کی مالا
نازک ہوتا ہے اس کا گھر
بارش میں ٹھہرے نہ پل بھر
چھوٹی چھوٹی آنکھیں اس کی
سب کو دیکھے چوری چوری
گر کر آخر اوپر پہنچا
کوشش کرکے آگے بڑھتا
راجہ بروس نے اس سے سیکھا
ہاری ہوئی وہ بازی جیتا
مشکل میں ہمت نہ ہارے
اس سے کچھ سیکھو تم پیارے

■

Ishtiaque Ahmed
3, P.M Bustee, 2nd by Lane
Shibpur Howrah
Howrah - 711102 (West Bengal)



محمد اعجاز

کیپ چا (Captcha) کی کہانی



انٹر نیٹ پر کام کرنے والا شاید ہی کوئی شخص ہوگا جس کا کیپچا سے واسطہ نہ پڑا ہو۔ کیپ چا اب جانا پہچانا نام ہو گیا ہے۔ جب آپ کمپیوٹر سسٹم پر جیسے ہی کسی ویب سائٹ پر لاگ ان کر رہے ہوں تو لاگ ان آئی ڈی اور پاس ورڈ بھرنے کے بعد آپ کو ایک چھوٹی سی پہیلی بھی سلجھانے کو ملتی ہے جیسے کہ آڑے ترچھے حروف اور اعداد کو پہچان کر ٹائپ کرنے کی پہیلی یا ریاضی کا چھوٹا سا جوڑ گھٹاؤ کا سوال حل کرنے کی پہیلی۔ یعنی پہلے آپ پہیلی حل کریں اس کے بعد داخلہ ملے گا۔

درحقیقت CAPTCHA کا فل فارم ہے Completely Automated Public Turning Test To Tell Computer and Human Apart اس کا مطلب ہے ایک ایسی آٹومیٹک جانچ جس کے ذریعے یہ یقینی بنایا جا سکے کہ سسٹم پر کوئی شخص ہی لاگ ان کر سکے نہ کہ مشین۔ کیپ چا میں ایسی پہیلی دی جاتی ہے جسے کوئی انسان ہی حل کر سکتا نہ کہ کوئی مشین (کمپیوٹر سسٹم)۔

اطلاعاتی انقلاب کے اس زمانے میں اطلاعاتی ٹیکنالوجی کی حفاظت ایک بڑا چیلنج ہے۔ ڈاٹا کو محفوظ رکھنے، اسے غیر ضروری شخص تک پہنچنے سے بچانے اور اس میں غیر ضروری بدلاؤ ہونے سے روکنے کے لیے کمپیوٹر سائنس دانوں نے کئی تدابیر اختیار کی ہیں جیسے فائر وال، اینٹی وائرس وغیرہ۔ کیپچا کمپیوٹرائزڈ اطلاعاتی ٹیکنالوجی کی حفاظت کی ایک تدبیر ہے۔ یہ تدبیر اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ کمپیوٹر سسٹم تک کوئی انسان ہی پہنچ سکے نہ کہ کوئی مشین۔ اس طرح غیر اختیار یافتہ داخلہ کرنے والی مشین کو کمپیوٹر کی زبان میں بوٹ کہا جاتا ہے جو روبورٹ لفظ سے لیا گیا ہے۔ انھیں بھلے ہی مشین کہہ لیں لیکن اصل میں یہ کمپیوٹر پروگرام ہی ہوتے ہیں جو اکثر بد نیتی سے تیار کیے جاتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی کمپیوٹر نظام پر لاگ ان روکنا اتنا ضروری کیوں ہے؟ اس کا جواب ہے کہ کمپیوٹر سسٹم میں مشین کا لاگ ان کر جانا بہت افسوس ناک ہے۔ اس طرح کا غیر اختیار یافتہ لاگ ان اس آلہ کے ڈاٹا بیس کو برباد کر سکتا ہے، اس میں بدلاؤ کر سکتا ہے یا پھر اس کے ڈاٹا کو چوری کر سکتا ہے۔ کمپیوٹر ڈاٹا کی چوری کے کئی واقعات سامنے آ چکے ہیں۔ اس طرح کے واقعات کی روک تھام کے لیے ایک ضروری اقدام یہ ہے



کہ کسی کمپیوٹر آلہ میں کسی مشین کو لاگ ان کرنے سے روک دیا جائے- یہ کام کیپچا کی مدد سے کیا جاتا ہے-

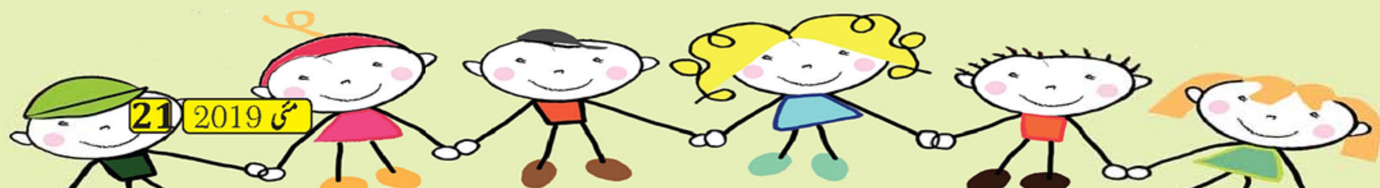
کیپ چا کی کھوج کا سہرا حقیقت میں کمپیوٹر انجینئروں کی دو ٹیموں کو جاتا ہے ان میں سے پہلی ٹیم الٹا وسٹا کی تھی۔ الٹا وسٹا 1995 میں قائم ایک سرچ انجن تھا جسے 2003 میں یاہو نے خرید لیا تھا۔ 1997 میں الٹا وسٹا کی ٹیم نے الٹا وسٹا سرچ پلیٹ فارم پر Active URL پر بوٹس کے جڑنے سے روکنے کے طریقوں کو کھوجنے پر کام شروع کیا۔ اس کے لیے پہیلی حل کرنے اور تصویر پہچاننے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ الٹا وسٹا کی اس ٹیم میں جو انجینئر شامل تھے ان کے نام ہیں Mark D.Lillibridge, Martin: Abadi, Krishna Bharat,Anderew Broder لگ بھگ اسی وقت انٹرنیٹ پر غیر قانونی گھس پیٹھ روکنے کی دوسری کوشش انجینیر وں کی ایک آزاد ٹیم بھی کر رہی تھی۔ لوئس وان آن (Luis Von Ahn) کی قیادت والی اس ٹیم میں Manual Blum,Nicholas J.Hopper,John Langford کے نام شامل تھے۔ حالانکہ حفاظت کی یہ تکنیک 1997 میں ہی تیار کر لی گئی تھی لیکن CAPTCHA لفظ 2003 میں وجود میں آیا۔ یہ نام Luis Von Ahn کی ٹیم ہی نے دیا تھا۔ دھیرے دھیرے کیپچا لوگوں کے درمیان مقبول ہوتا گیا اور آج یہ محفوظ لاگ اِن کا ضروری حصہ بن گیا ہے۔

نو کیپچاری کیپ چا No CAPTCHA reCAPTCHA

2014 میں گوگل کے تجزیے میں یہ پایا گیا کہ مصنوعی ذہانت کی مدد سے 99.8 فیصد تک کی درستگی تک کیپچا کی پہیلیوں کو حل کیا جا سکتا ہے یعنی مشین انسان ہونے کا ڈھونگ کر کے غیر اختیار یافتہ لاگ ان کر سکتی ہے۔ اس خطرے کو بھانپ کر گوگل نے No CAPTCHA reCAPTCHA کا استعمال شروع کر دیا۔ اس تکنیک میں ایک دکھائی نہ دینے والا الگورتھم algorithm کمپیوٹر استعمال کرنے والوں کی آن لائن سرگرمی پر نگاہ رکھے رہتا ہے تا کہ یہ پتہ چل سکے کہ وہ انسان ہی ہے نہ کہ کوئی بوٹ، پھر ایک چیک پوائنٹ آتا ہے جس میں استعمال کنندہ کو یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ وہ ایک انسان ہے نہ کہ مشین (بوٹ / روبوٹ)۔ اس کے لیے اکثر اس سے حروف کے بجائے تصاویر کو پہچاننے کو کہا جاتا ہے۔ آپ کو بھی انٹرنیٹ پر اس تکنیک کے تحت کئی بار اپنے آپ کو انسان ثابت کرنا پڑا ہوگا۔ آپ کو شاید پتہ بھی نہ چلا ہو کہ پردے کے پیچھے سے ایک الگورتھم آپ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انٹرنیٹ کی دنیا رنگ برنگی ہے۔ اس میں اچھائی کے بے شمار پہلو ہیں تو برائی کے بدنما داغ بھی۔ کیپ چا، انٹرنیٹ کو برائی سے بچانے کی کوشش ہے۔ برے لوگ اس کا توڑ نکالنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کیپ چا انٹرنیٹ پر حفاظت کا ایک مضبوط اور اہم ذریعہ بنا ہوا ہے۔

■

Md Aijaz
Raja Tola Harlakhi, P.O. Harlakhi
Via-Umgaon Kothi,
Madhubani - 847240 (Bihar)



عمران احمد



قطر پہلی مرتبہ فٹ بال کے ایشیا کپ کی فاتح

قطر نے جاپان کو فائنل میں 1-3 سے شکست دے کر پہلی مرتبہ فٹ بال کا ایشیا کپ جیتا۔ ابوظبی کے شیخ زائد اسپورٹس سٹی اسٹیڈیم میں کھیلے گئے اس فائنل میں وقفہ تک قطر کی ٹیم 0-2 سے آگے تھی۔ 36,776 تماشائیوں کی موجودگی میں قطر کے فارورڈ کھلاڑی المعز علی نے 12 ویں منٹ میں پہلا گول کیا۔ عبدالعزیز حاتم نے 27 ویں منٹ میں گول کر کے سبقت کو دوگنا کر دیا۔ وقفے کے بعد جاپان کے تاکومی مناامینو نے اپنی ٹیم کی طرف سے واحد گول کیا۔ قطر کے اکرم حسن افف نے اپنی ٹیم کے لیے تیسرا گول کیا۔

اس ایشیا کپ سے پہلے تک قطر نے کبھی ٹاپ چار میں جگہ نہیں بنائی تھی۔ اس نے دو مرتبہ پانچواں مقام حاصل کیا تھا جو اس کی اس ٹورنامنٹ سے پہلے تک سب سے اچھی کارکردگی تھی۔ اس نے 1984 میں سنگاپور میں اور 1988 میں اپنے گھر پر پانچواں مقام حاصل کیا تھا۔

متحدہ عرب امارات میں ہوئے سترہویں ایشیا کپ فٹ بال ٹورنامنٹ میں 24 ملکوں کی ٹیموں نے شرکت کی تھی جن کو چھ گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گروپ اے میں میزبان متحدہ عرب امارات کے علاوہ تھائی لینڈ، ہندوستان اور بحرین کو رکھا گیا تھا جبکہ گروپ بی آسٹریلیا، شام، فلسطین اور اردن پر مشتمل تھا۔ جنوبی کوریا، چین، کرغستان اور فلپائین کو گروپ سی میں جگہ ملی تھی۔ ایران، عراق، ویت نام اور یمن کو گروپ ڈی میں جگی ملی تھی۔ گروپ ای میں سعودی عرب، قطر، لبنان اور شمالی کوریا تھیں جب کہ جاپان، ازبکستان، عمان اور ترکمانستان گروپ ایف میں جگہ حاصل کرنے میں کامیاب رہی تھیں۔

ہر گروپ سے پہلے دو مقام حاصل کرنے والی ٹیموں اور تیسرے مقام پر رہنے والی چار بہترین ٹیموں نے پیری کوارٹر فائنل میں کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا۔ پیری کوارٹر فائنل میں چین نے تھائی لینڈ کو 1-2 سے، ایران نے عمان کو 0-2 سے، جاپان



نے سعودی عرب کو0-1 سے اور قطر نے عراق کو0-1 سے شکست دے کر کوارٹر فائنل میں جب کہ بنائی۔ اردن، جنوبی کوریا، متحدہ عرب امارات اور آسٹریلیا نے بھی اپنے پیری کوارٹر فائنل میچوں میں جیت حاصل کی مگر وہ فاضل وقت یا پنالٹی شوٹ آؤٹ میں جیت حاصل کرنے کے بعد آخری آٹھ میں جگہ بنانے میں کامیاب رہیں۔ جنوبی کوریا نے فاضل وقت میں بحرین کو1-2 سے اور متحدہ عرب امارات نے کرغستان کو1-3 سے شکست دی۔ ویت نام نے اردن کو1-1 سے برابر رہنے کے بعد پنالٹی شوٹ آوٹ میں 2-4 سے شکست دی۔ آسٹریلیا اور ازبکستان کا میچ بغیر کسی گول سے برابر رہا تھا۔ پنالٹی شوٹ آوٹ میں آسٹریلیا نے2-4 سے کامیابی حاصل کر کے کوارٹر فائنل میں داخلہ حاصل کیا۔

ایران نے چین کو0-3 سے، جاپان نے ویت نام کو0-1 سے، قطر نے جنوبی کوریا کو 0-1 سے اور متحدہ عرب امارات نے آسٹریلیا کو اسی اسکور کے ساتھ شکست دے کر سیمی فائنل میں جگہ بنائی۔

جاپان نے پہلے سیمی فائنل میں ایران کو0-3 سے شکست دے کر پانچویں مرتبہ فائنل میں جگہ بنائی۔ قطر نے دوسرے سیمی فائنل میں متحدہ عرب امارات کو0-4 سے شکست دے کر پہلی مرتبہ فائنل میں کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا۔

فائنل میں قطر نے جاپان کو1-3 سے شکست دے کر پہلی مرتبہ فٹ بال کا ایشیا کپ حاصل کیا۔ جاپان نے اس ایشیا کپ سے پہلے جب بھی فائنل میں جگہ بنائی اس نے خطاب پر قبضہ جمایا تھا مگر اس مرتبہ اسے شکست ہوئی۔ قطر نے پہلی مرتبہ فائنل میں داخلہ حاصل کیا اور خطاب اپنے نام کیا۔

قطر سے پہلے ایران، جنوبی کوریا اور جاپان پہلی مرتبہ فائنل میں داخلہ حاصل کرنے کے بعد خطاب حاصل کرنے والی ٹیمیں تھی۔

اس مرتبہ 51 میچوں میں2.55 گول فی میچ کے حساب سے 130 گول ہوئے۔ 85 کھلاڑیوں نے یہ گول کیے۔ قطر کے المعز علی نو گولوں کے ساتھ سب سے زیادہ گول کرنے والے کھلاڑی رہے۔ ایران کے سردار ازمون، متحدہ





عرب امارات کے علی احمد مبخوت، ازبکستان کے ایلڈور شومور پوو اور جاپان کے یویا اوسا کو چار چار گولوں کے ساتھ مشترکہ طور پر دوسرے سب سے زیادہ گول کرنے والے کھلاڑی رہے۔

متحدہ عرب امارات میں دوسری مرتبہ فٹ بال کا ایشیا کپ منعقد ہوا۔ اس سے پہلے جب 1996 میں ایشیا کپ ہوا تھا تو اس نے دوسرا مقام حاصل کیا تھا۔ فائنل میں اس کو سعودی عرب نے پنالٹی شوٹ آوٹ میں 2–4 سے شکست دی تھی۔ اس مرتبہ وہ ایران کے ساتھ مشترکہ طور پر تیسرے مقام پر رہی۔

فٹ بال کا ایشیا کپ جیتنے والی قطر نویں ٹیم ہے۔ اس سے پہلے جاپان، سعودی عرب، ایران، جنوبی کوریا، اسرائیل، کویت، آسٹریلیا اور عراق نے ایسا کیا تھا۔

جاپان کو سب سے زیادہ مرتبہ فٹ بال کا ایشیا کپ جیتنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس نے چار مرتبہ اس کپ پر قبضہ جمایا ہے۔ اس نے پہلی مرتبہ یہ اعزاز اپنے گھر میں 1992 میں سعودی عرب کو فائنل میں 0–1 سے شکست دے کر حاصل کیا تھا۔ 2000 میں لبنان میں ہوئے ایشیا کپ میں اس نے سعودی عرب کو 0–1 سے ہرا کر دوسری مرتبہ چمپئین ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ 2004 میں چین میں ہوئے ایشیا کپ میں اس نے میزبان چین کو 1–3 سے شکست دے کر لگاتار دوسری مرتبہ ایشیا کپ پر قبضہ جمایا تھا۔ اس نے چوتھی مرتبہ یہ کپ قطر میں 2011 میں ہوئے ایشیا کپ میں حاصل کیا تھا۔ اس مرتبہ فائنل میں اس نے فاضل وقت میں آسٹریلیا کو 0–1 سے شکست دی تھی۔

سعودی عرب نے تین مرتبہ ایشیا کپ جیتا ہے۔ اس نے پہلی مرتبہ 1984 میں سنگا پور میں ہوئے ٹورنامنٹ میں چین کو 0–2 سے ہرا کر خطاب پر قبضہ کیا تھا۔ چار سال بعد جب قطر میں ایشیا کپ ہوا تھا تو اس نے کامیابی کے ساتھ خطاب کا دفاع کیا تھا۔ فائنل میں اس نے پنالٹی شوٹ آوٹ میں جنوبی کوریا کو 3–4 سے ہرایا تھا۔ 1996 میں اس نے تیسری مرتبہ یہ خطاب متحدہ عرب امارات میں ہوئے ایشیا کپ میں حاصل کیا تھا تب اس نے میزبان متحدہ عرب امارات کو پنالٹی شوٹ آوٹ میں 2–4 سے شکست دی تھی۔ وہ تین مرتبہ رنر اپ بھی رہی ہے۔

سعودی عرب کی طرح ایران نے بھی تین مرتبہ ایشیا کپ جیتا ہے۔ اس نے 1968، 1972 اور 1976 میں ایسا کیا تھا۔ ایران نے جب بھی فائنل میں داخلہ حاصل کیا ہے، وہ خطاب جیتنے میں کامیاب رہی ہے۔

سب سے پہلے ایشیا کپ جیتنے والی جنوبی کوریا نے دو مرتبہ ایسا کیا ہے۔ اس نے 1956 میں پہلی مرتبہ یہ اعزاز حاصل کرنے کے بعد 1960 میں کامیابی کے ساتھ اس کا دفاع کیا تھا۔ اس نے چار مرتبہ (1972، 1980، 1988 اور 2015) دوسرا مقام بھی حاصل کیا ہے

اسرائیل (1964)، کویت (1980)، آسٹریلیا (2015)، ایران (2007) نے ایک ایک مرتبہ ایشیا کپ جیتا ہے۔ اسرائیل نے دو مرتبہ اور کویت، آسٹریلیا نے ایک ایک مرتبہ دوسرا مقام بھی حاصل کیا ہے۔

■

Imran Ahmed
2010 Rodgran, Lal Kuan
Delhi - 110006



محمد کلیم ضیا

نظم

سیدھا سچا رستہ دے



گرمی، بارش، جاڑا دے
جو موسم دے اچھا دے
اپنے بزرگوں کی خدمت
سب کو کرنا سِکھلا دے
پڑھنے سے جو جان چرائے
اس کو عقل کی پُڑیا دے
کپٹ بھری اس دنیا میں
سیدھا، سچا رستہ دے
سورج سے دل گھبرائے تو
رات کو پیارا چنّدا دے
تاریکی ہے چاروں اُور
سب کی قسمت چمکا دے
دوست نہ چاہوں دس بارہ
ایک دے لیکن سچا دے
بے گھر، بھوکے، ننگے کو
گھر دے، روٹی، کپڑا دے

پوری دنیا میں یارب
علم کا پرچم لہرا دے

■

Dr. Mohd Kaleem Zia
A/103, Rawal Enclave, Rawal Nagar
Opp: Rawal School & College
NR: Mira Road Station, Mira Road (East)
Thane - 401107 (Maharashtra)



جاوید ماجدی

نظم



اتحاد

دیکھو دیکھو بادل آئے ساتھ اپنے وہ بارش لائے
ہے یہ منظر بہت سہانا کوئی اپنے گھر مت جانا
عادل بولا آؤ، آؤ لڈو، پیڑے مل کر کھاؤ
کھیلیں گے مل جل کر ہم سب گھر جائیں گے ایسے میں کب
داور بولا میں آتا ہوں ساتھ میں ٹنکو کو لاتا ہوں
پنکج، رامو اور انیتا دوڑ کے آئے جیسے چیتا
ساجد، ماجد اور سکندر بولے کھل گیا ان کا مقدر
اک دوجے کے ہاتھ وہ پکڑے ناچ رہے تھے سب مل جل کے
سب ہیں اپنے من کے میت گا بھی رہے تھے قومی گیت
ان بچوں میں بھید نہ بھاؤ آپس میں ہے کتنا لگاؤ
اتنے میں بارش کی بوندیں بچوں کے تن من کو چومیں
ہوگئے خوش یہ بچے سارے جیسے چندا اور ستارے
کل ملتے ہیں وعدہ کرکے اپنے اپنے گھر کو لوٹے

■

Jawaid Majidi
5/1/1, G.C.R.C. Ghat Road
Shibpur, Howrah - 711102 (West Bengal)



عطیہ بی

ہمتِ مرداں مددِ خدا

آج صبح اچانک باہر کسی شخص نے بہت تیز آواز میں کھٹکھٹایا اور میں جو ابھی تک محوِ خواب تھا چونک کر اُٹھ گیا۔ دیکھا تو پڑوس کے بچوں کو لینے ان کا رکشہ والا آیا ہے میرا دھیان ان کو دیکھ کر فوراً اپنی دیوار پر لگی کھڑکی کی جانب گیا۔ یہ کیا! ارے یہ کیا! مجھ کو اٹھنے میں کافی دیر ہو چکی ہے میں جلدی جلدی اسکول جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔ تیزی سے جیوں ہی میں اسکول کے لیے نکلا تو امی نے ناشتے کے لیے روک لیا۔ بولیں کہ بغیر ناشتہ کیے وہ مجھے اسکول نہیں جانے دیں گی۔

ناشتہ کیا حلق سے اترتا اسکول میں دیر سے پہنچنے کا خوف میرے اوپر یوں طاری تھا گویا کوئی بلا میرے پیچھے پڑی ہو۔ جیسے تیسے ناشتہ کر کے اسکول روانہ ہوا۔ میں اسی سوچ میں مبتلا تھا کہ آج مجھے دیر سے پہنچنے پر سزا نہ ملے۔ انھیں خیالات میں سڑک پر بے پرواہی سے چلا جا رہا تھا کہ اسی دوران چوراہے سے نکلتی ہوئی گاڑیوں کی آوازوں نے مجھے چونکایا... اور میری نگاہ سڑک کے کنارے بیٹھے ایک دبلے پتلے کمزور سے لڑکے پر جا کر ٹک گئی۔ وہ لڑکا سڑک پر کنارے کی جانب ایک گمٹی لگائے بیٹھا جوتوں پر پالش کر رہا تھا...

اس لڑکے کی عمر تقریباً 8 برس ہوگی سانولے رنگ کا یہ لڑکا جو پالش کرانے والوں سے اچھے اخلاق سے پیش آتا تھا کہ لوگ چاہ کے بھی اس سے ناراض نہ ہو پاتے... کبھی ہاتھ جوڑتا، تو کبھی صاحب صاحب کہہ کر بڑی مسکینی سے پیروں سے لپٹ جاتا اس کو دیکھ کر میں اسکول جانا بھول گیا۔ اسکول



نہ پہنچنے پر ملنے والی سزا کا خیال بھی میرے ذہن سے کوسوں دور جاچکا تھا۔ بڑی دیر تک اس کو غور سے دیکھنے کے بعد میرے ذہن میں بے شمار سوالات پیدا ہوئے۔

یہ لڑکا کون ہے؟ اس کی ایسی کون سی ضرورت ہے جس نے اس کو بیچ سڑک پر مزدوری کرنے پر مجبور کر دیا؟ اتنی کم عمری میں یہ اس طرح سے کام کر رہا ہے۔ ہم بھی تو اسی عمر کے ہیں۔ مگر ہم تو پڑھنے لکھنے جاتے ہیں، یہ کیوں نہیں جاتا؟ اس طرح کے کاموں میں اپنی زندگی کیوں برباد کر رہا ہے؟ اسی طرح کے سوالات میرے ذہن کی دیواروں سے ٹکرانے لگے۔ مگر یہ کیا! اچانک اس لڑکے نے اپنا تمام سامان ایک بڑے ڈبّے میں بند کرنا شروع کر دیا۔ اور میری غفلت اچانک ٹوٹی...

اس نے اپنے پاس رکھی بیساکھیوں کو اُٹھایا اور ان کی مدد سے اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ میری نگاہ جب اس کی بیساکھیوں پر پڑی تو حیرت زدہ ہو گیا جو لڑکا دن رات محنت کر کے دو وقت کی روٹی کے لیے پیسے کماتا ہے کبھی کسی کی خوشامد کرتا، تو کبھی کسی کے پیر پڑتا، مگر اپنے حوصلے کو بھی پست نہیں ہونے دیتا۔ وہ خود اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ معصوم لڑکا اپنی بیساکھیوں کا سہارا لیتے ہوئے کچھ دور جاتا ہوا دکھائی دیا۔ جب تک وہ میری آنکھوں سے اوجھل نہ ہوا میں اس کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا ہی رہا۔ اور پھر میرے قدم یکا یک اسکول کی جانب اٹھ گئے مگر جب ہاتھ میں بندھی گھڑی پر جو میری نگاہ پڑی تو وقت کافی ہو چکا تھا۔ اور اب اسکول جانے سے کوئی فائدہ نہ تھا لہٰذا میں گھر کی جانب چل پڑا۔ مگر رہ رہ کر اس لڑکے کا تصور میری خیالات کو جھنجھوڑ جاتا تھا۔ پوری رات اسی بے چینی میں گزری..... انتظار اس بات کا تھا کہ جلدی سے صبح ہو اور میں اس سے جا کر ملوں، جب میں اس سے ملوں گا تو اس سے یہ ضرور پوچھوں گا ''تم یہاں بیٹھ کر اپنی زندگی کیوں برباد کر رہے ہو''؟ ''تم پڑھائی کیوں نہیں کرتے''؟... ''تمھاری کیا مجبوری ہے جو تمھیں اس سڑک کی خاک چھاننے پر مجبور کر رہی ہے''؟ کسی صورت سے رات کٹی اور دوسرا دن آیا صبح ہی صبح میں جلدی تیار ہو کر گھر سے روانہ ہوا۔ مگر جب میں اس مقام پر پہنچا تو وہاں کا منظر کچھ مختلف تھا۔ اس جگہ کوئی بھی موجود نہ تھا۔ میں بے چینی سے آس پاس کے لوگوں سے اس لڑکے کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ ''ارے چچا وہ لڑکا کہاں ہے جو کل یہاں بیٹھا جوتے پالش کر رہا تھا۔ پتہ نہیں بیٹا'' ''تم کس کی بات کر رہے ہو مجھے نہیں معلوم''.... میں جس سے پوچھتا وہ میرے اس سوال کو ٹال جاتا، تبھی کنارے موجود ایک دوکاندار نے مجھے بلایا... ''کیا بات ہے تم کسے ڈھونڈ رہے ہو۔'' یہاں ایک لڑکا پالش کرنے کے لیے بیٹھتا ہے اسی کو تلاش کر رہا ہوں''۔ اچھا، اچھا صمد... تم صمد کی بات کر رہے ہو۔ وہ یہاں سے کچھ دور رہتا ہے بڑا ہی نیک بچہ ہے، گھر میں کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ ابھی کچھ ہی دن ہوئے کہ اس کے ماں باپ کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا ایک چھوٹی بہن ہے جس کی عمر ابھی صرف چار سال ہے۔ یہ لڑکا پہلے ایسا نہ تھا۔ یہ اچھے خاندان کا بیٹا ہے، ماں باپ کی شفقت کا سایہ ہمیشہ اس پر رہتا تھا۔ مگر ہائے رے قسمت... ایسی کروٹ بدلی کہ اس کی تقدیر کے ستارے گردش میں ہو گئے، ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ ہی گیا تھا کہ تقدیر کا ایک اور ستم... اس نے اپنے پیر بھی ایک حادثے میں گنوا دیے مگر اس نے پھر بھی ہمت نہ ہاری،



جدوجہد کرتا رہا..... اتنی تکلیفوں کے باوجود وہ اپنی چھوٹی بہن کی پرورش کرتا ہے۔ان دونوں بھائی بہنوں کی سرپرستی کرنے کے نام پر ان کی ایک بوڑھی دادی ہے مگر وہ بھی بہت بیمار رہتی ہے..... صمد ایک کام نہیں کرتا بلکہ مختلف کام کرتا ہے کبھی بوٹ پالش کرتا ہے۔تو کبھی گاڑیوں کی صفائی، تو کبھی کچھ اور ..... اس نے اپنی مجبوریوں کو کبھی اپنی کمزوری نہیں بننے دیا۔اسی کم عمری میں بھی اس کے ارادے بہت مضبوط ہیں۔

اس کے بارے میں اتنا سب کچھ جاننے کے بعد میں اس لڑکے کی ہمت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔مجھ کو اس کے حالات جان کر بڑا تعجب ہوا۔اس کی عمر کے لڑکے تو ابھی کھیل کود، پڑھائی، لکھائی ہی کر رہے ہیں وہیں یہ لڑکا ہے..... اتنی کم عمری میں اتنی پریشانیاں جھیل رہا ہے۔مگر ہمت کے ساتھ ابھی بھی ڈٹا ہوا ہے۔اس کی زندگی میں لاکھوں تکالیف کیوں نہ آتی ہوں مگر پھر بھی اس نے صبر اور ہمت کا دامن نہیں چھوڑا۔ اس لڑکے نے تمام ان بچوں کو سبق دیا جو تھوڑی ہی نا اُمیدی ہونے پہ پریشان ہو جاتے ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں ہمیشہ صبر اور ہمت سے کام لینا چاہیے۔

■

Atiya Bee
194/32, L.P. Road
Wazeer Ganj
Lucknow (UP)

جوابات



محمد اطہر مسعود خاں

کہانی

طوطا اور چور



"باجی.......... باجی.......... ارے باجی.......... یہ دیکھیے زخمی طوطا! میری باجی..........بس جلدی سے اس کو لوشن لگا دو۔ اچھا میں دوڑ کر پٹی لاتی ہوں۔"

یہ فرحانہ تھی۔ ننھی منی پیاری سی گڑیا۔ اس کے دل میں ننھے منے پرندوں اور چھوٹے جانوروں سے بہت پیار تھا۔ بس کسی نے فرحانہ کی بلی مینو کو چھیڑا اور فرحانہ کو رونا آ گیا اور جو کسی نے اس کی ان پیاری پیاری چہکتی بلبلوں کو ہاتھ لگایا اور وہ دوڑتی ہوئی جا کر اپنی باجی سے لپٹ جاتی۔ ان سے شکایت کرتی اور ساتھ میں اوں اوں کر کے روتی بھی جاتی۔

ان کے گھر کے سامنے ہی ایک پارک تھا۔ شام کا وقت تھا۔ فرحانہ نے اپنی پیاری سی سہیلی عائشہ کو ساتھ لیا، جو ان کے برابر والے گھر میں رہتی تھی۔ فرحانہ اور عائشہ دونوں ہی خوش تھیں۔ پارک میں جگہ جگہ پھول کھلے ہوئے تھے۔ چڑیاں چہک رہی تھیں۔ دونوں سہیلیاں پارک میں ٹہلنے لگیں۔

اچانک پاس کے ایک پیڑ سے طوطا پھڑ پھڑاتا ہوا نیچے آ گرا۔ شاید کسی شریر بچے نے اسے غلہ یا اینٹا مارا تھا۔ فرحانہ نے عائشہ کا ہاتھ چھوڑ لپک کر اس زخمی طوطے کو اٹھا لیا اور ہانپتی کانپتی اپنی باجی کو آواز دیتی ان کے سامنے جا پہنچی۔

دراصل فرحانہ کی باجی اسے اتنا پیار کرتی تھیں کہ اس کی زبان پر ہر وقت باجی کا نام رہتا اور اس کی باجی اگر کبھی اسے ڈانٹ دیتیں تو وہ کہتی: "باجی! اب میں جا کر ان سے شکایت کردوں گی۔ وہ تمھیں جب تم دلہن بن کر جاؤ گی نا تو خوب ڈانٹیں گے.......... خوب.......... اللہ کرے تم اوں اوں کر کے خوب روؤ۔" اور باجی شرما کر اس کو پکڑنے دوڑتیں تو وہ منھ چڑا کر بھاگ جاتی اور اپنی سہیلی عائشہ کے گھر جا چھپتی۔

ہاں تو فرحانہ اور اس کی باجی نے جلدی سے طوطے کی مرہم پٹی کی۔ اس کو گیلا آٹا کھلایا۔ پھر کچھ دن بعد وہ ٹھیک ہو گیا۔ اب فرحانہ اس کے لیے ہری مرچیں لاتی۔ کبھی اسے امرود کھلاتی اور پھر اللہ کے حکم سے طوطا بالکل ٹھیک ہو گیا۔ فرحانہ نے اپنے طوطے کا نام ٹینا رکھا۔ ایک دن فرحانہ اور عائشہ کو خوب مزہ آیا۔ ہوا یہ کہ فرحانہ نے ٹینا کے پنجرے میں ایک امرود رکھ دیا۔ ٹینا نے ذرا سا کھا کر پانی پینے کے لیے پاس رکھے برتن میں اپنی چونچ ڈالی تو ادھر پنجرے کے پاس ایک گلہری جو بہت دیر سے خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے



موقع غنیمت جانا۔ چپکے چپکے آئی اور پنجرے کی جھری میں سے امرود نکال کر بھاگی۔ عائشہ اور فرحانہ نے خوشی سے تالیاں بجائیں اور پھر شور مچادیا.........."چور.........چور!" طوطے نے یہ الفاظ بھی رٹ لیے۔ اب کبھی ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ بھی ان دونوں کے ساتھ "چور چور" پکارتا۔

فرحانہ اور عائشہ اب مینو اور بلبلوں کے علاوہ ٹینا سے بھی کھیلتیں۔ اس سے باتیں کرتیں۔ فرحانہ کی باجی نے بھی طوطے کو بہت سی باتیں سکھا دی تھیں۔ ہر مہمان کو دیکھ کر وہ خوش آمدید کہتا اور سلام کرتا اور صبح کو فجر کے وقت فرحانہ کو آواز دیتا: "گڑیا رانی! اب اٹھ جاؤ۔ اللہ کا نام لو اور جھٹ پٹ اسکول جاؤ"

ایک دن کی بات ہے۔ صبح کو اسکول جانے کا وقت تھا۔ عائشہ تیار ہو کر فرحانہ کو لینے آگئی تھی۔ فرحانہ جلدی جلدی تیار ہو رہی تھی۔ اتنے میں عائشہ ٹینا سے باتیں کرنے لگیں۔ پھر فرحانہ بھی پنجرے کے پاس آگئی۔ ٹینا سے کچھ باتیں کیں اور پھر دونوں اسکول چل دیں۔

اتفاق سے اس روز فرحانہ کی باجی گھر میں اکیلی تھیں۔ انھوں نے جلدی جلدی گھر کا سارا کام کیا اور پڑوس میں عائشہ کے گھر چلی گئیں۔ عائشہ کی ممی سے ان کی خوب دوستی تھی۔

ہاں تو ان کے پیچھے کیا ہوا کہ ایک فقیر بھیک مانگتا ہوا فرحانہ کے گھر تک آگیا۔ دروازے کے کواڑ بھڑے ہوئے تھے۔ اس نے آواز لگائی: "بیٹی اللہ کے نام پر کچھ خیرات دو۔" اس نے کئی بار صدا دی پھر آہستہ سے کواڑوں پر ہاتھ مارا تو وہ کھل گئے۔ اس نے دروازے میں قدم رکھ کر اندر جھانکا۔ گھر میں کوئی ہوتا تو نظر آتا، بس اس کی نیت بگڑ گئی اور وہ جلدی جلدی گھر کا قیمتی سامان جمع کرنے لگا۔ اس نے فرحانہ کے طوطے ٹینا کی طرف کوئی دھیان ہی نہ دیا۔ وہ تو مزے سے مال صاف کرنے میں لگا رہا۔ تبھی اس کے ہاتھ سے کوئی برتن گرا اور اس کی آواز سے ٹینا چونک کر جاگ پڑا۔ دراصل اسے اس وقت نیند آگئی تھی کیونکہ وہ صبح کو منہ اندھیرے ہی اٹھ جاتا تھا۔ اب جو ٹینا نے اسے سامان جمع کرتے دیکھا تو شور مچا دیا ......"چور......!"

بس پھر کیا تھا۔ آواز سن کر آس پاس کے سارے پڑوسی فوراً جمع ہو گئے۔ انھوں نے اس چور کی خوب پٹائی کی۔ اس نے اپنی غلطی مان لی اور اس طرح فرحانہ کے گھر چوری ہوتے ہوتے رہ گئی۔

پھر دوپہر سے کچھ پہلے فرحانہ بھی آگئی۔ جب اسے اپنے طوطے کا یہ کارنامہ معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئی اور دوڑ کر عائشہ کو بھی بلا لائی۔ دونوں نے مل کر ٹینا سے خوب باتیں کیں۔ فرحانہ کے ٹفن میں جو آدھا پراٹھا بچ گیا تھا وہ اس نے جلدی سے اپنے طوطے کو کھلا دیا اور اس طرح وہ اپنے طوطے سے اور بھی زیادہ محبت کرنے لگی اور وہ اپنے آپ سے ہی سوچنے لگی کہ انسان کے علاوہ اگر ہم خدا کی دوسری مخلوق سے بھی محبت کریں تو اس کا بدلہ خدا ضرور دیتا ہے۔ اب جیسے میں نے طوطے کی خدمت کی، اس کی مرہم پٹی کی، اس کو پالا تو اللہ نے مجھے یہ صلہ دیا کہ اس طوطے کی وجہ سے ہی میرے گھر چوری ہونے سے رہ گئی۔

■

Dr. M. Athar Masood Khan
Ghaus Manzil Talab Mulla Iram
Rampur 244901 U.P
Mob: 9719316703



ناہید ندیم

گھر کی رونق

کہانی



''سحر، ارحم، اٹھو بیٹا'' امی نے صبح سویرے آواز دی۔

لیکن دونوں بچوں نے آنکھ تک نہ کھولی۔

''جلدی اٹھو بیٹا، اسکول کے لیے دیر ہو جائے گی۔'' امی کی پیار بھری آواز دوبارہ ابھری۔ سحر نے کسمسا کر بڑی مشکل سے آنکھ کھولی۔ ''امی صبح کو اتنی اچھی نیند آتی ہے! لیکن بیٹی یہی وقت دن کی اچھی شروعات کرنے کا بھی ہوتا ہے۔ وہ دیکھو تمھاری دادی جان کب سے جاگ چکی ہیں۔ ماہم نے لان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بیٹی کو سمجھایا۔

سحر نے کھڑکی میں سے ایک نظر لان کی طرف دیکھا۔ دادی پودوں کو پانی دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی انھوں نے ایک برتن میں پرندوں کے لیے بھی پانی ڈال رکھا تھا اور دانہ بھی اور دھیرے دھیرے وہاں پر چھوٹے بڑے پرندے بھی جمع ہو رہے تھے جن میں چڑیاں، کوے، طوطے، فاختہ اور کبوتر شامل تھے۔ صبح کی نماز و تسبیح سے فارغ ہونے کے بعد یہ دادی کا روز کا معمول تھا۔ سحر اس منظر کو دیکھ کر بے ساختہ دادی ماں کی طرف دوڑ گئی اور آتے ہی دادی سے سوال کیا۔ دادی آپ ہر روز پودوں کو پانی کیوں دیتی ہیں۔ دادی نے شفقت سے سحر کو اپنی گود میں لیا اور جواب دینے ہی والی تھیں کہ ارحم بھی سحر کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچ گیا اور آتے ہی اپنا سوال کر دیا:

''دادی آپ ہر روز پرندوں کو دانہ پانی کیوں ڈالتی ہیں۔''



دادی نے بہت ہی محبت سے اپنی بات شروع کی۔
''دیکھو بیٹا ہر جاندار کی کچھ ضرورتیں ہوتی ہیں، اسی طرح ان پودوں اور پرندوں کی بھی ضرورتیں ہیں لیکن یہ بے زبان ہوتے ہیں، یہ کسی سے مانگ نہیں سکتے اس لیے ان کو کھلانے پلانے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ اللہ کے آخری نبی حضرت محمدؐ کا کہنا ہے کہ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا سب سے بڑی نیکی ہے اور بیٹا نیکی سے دل کو اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے جو اصل میں سب سے بڑی دولت ہے۔

بچے بہت ہی احترام اور دھیان سے دادی جان کی باتیں سن رہے تھے۔ دادی دل ہی دل میں بچوں کی سعادت مندی پر خوش ہوکر فرما رہی تھیں۔

بچو تمھیں نیکی کا ایک اور کام بتاؤں،

وہ کیا دادی جان؟

بچوں نے حیرانی سے پوچھا۔

بیٹا، وہ کام ہے، علم حاصل کرنا اور دوسروں کو تعلیم دینا۔ اس لیے اب تم جلدی سے تیار ہو جاؤ تمھارے اسکول کی بس بھی آنے والی ہے۔ بچے اسکول جانے کی تیاری کرنے لگے۔ اب یہی ماحول اُن کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔

ایک دن بچے صبح کو جاگے تو دیکھا کہ لان پر کوئی نہیں ہے، نہ دادی نہ پرندے اور نہ وہ رونق۔ دونوں بچوں نے یک زبان ہوکر اپنی ماں سے سوال کیا۔

''امی جان، دادی کہاں ہیں؟''

''بیٹا، رات..... اچانک دادی جان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اس لیے ان کو اسپتال میں داخل کروانا پڑا۔ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ جلد صحت یاب ہوکر گھر لوٹ آئیں۔''

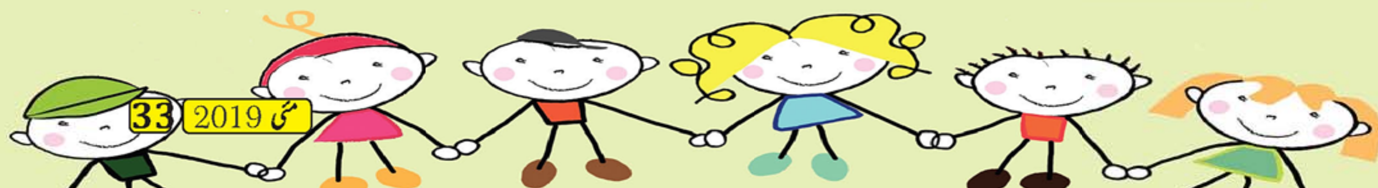
یہ سنتے ہی بچوں کے چہروں پر ایک دم اداسی سی چھا گئی۔

دادی کئی روز تک اسپتال میں زیر علاج رہیں۔ اُن کی کمی کو نہ صرف تمام فیملی ممبرز نے محسوس کیا بلکہ اب لان پر بھی ویرانی سی رہتی تھی، پرندوں کی چہچہاہٹیں بھی ختم ہوگئی تھیں، پیڑ پودوں کی کیاریاں بھی (لاپرواہی) کی وجہ سے سوکھ رہی تھیں اور سب سے بڑھ کر ماں کی ممتا کی کمی سب کو کھل رہی تھی لیکن سب مجبور تھے۔ اب دعائیں ہی ان کا واحد آسرا تھیں۔

پھر اچانک ایک دن خوشی کی خبر آئی کہ دادی کی طبیعت سنبھل گئی اور وہ دو ایک روز میں گھر واپس آجائیں گی۔ اس خبر نے ان کے مایوس دلوں میں امید کی شمع روشن کردی تھی اور پھر وہ لمحہ بھی آیا کہ دادی جان تندرست ہوکر گھر لوٹیں تو دونوں بچے اپنی دادی ماں سے لپٹ گئے اور پھر دن بھر ان سے چپکے رہے۔ طرح طرح کی معصوم باتیں کرتے رہے اور بیچ بیچ میں اپنی پسند کی کہانیاں بھی سن رہے تھے۔ مانو ان کے دل کی باتیں ہو رہی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ماں باپ کو دادی سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہے تھے۔ ان کے والدین اپنی ماں اور بچوں کو خوش ہوتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور اس بات کو شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ گھر چیزوں سے نہیں بلکہ بزرگوں کے سائے اور بچوں کی کلکاریوں سے ہی بنتا ہے وہی گھر کی اصل رونق ہیں۔

■

Dr. Nadeem Ahmed 'Nadeem'
Dept of Urdu, NRLC (CIIL)
Punjabi University
Patiala - 147002 (Punjab)
Cell: 9888856914



محبوب حسن



کہانی

مغرور شیر

کسی گھنے جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ جنگل میں ہر جگہ اس کی حکمرانی قائم تھی۔ جنگل کے جانور اسے اپنا راجہ مانتے تھے۔ اس کا ایک بچہ تھا، جس کا نام شرارتی تھا۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی شرارت میں مشغول رہتا تھا۔ اس کا باپ اب بوڑھا ہو چکا تھا۔ اسے ہر وقت اپنے بچے کی فکر ستاتی تھی۔ وہ اپنے بچے کے مستقبل کے تئیں اکثر پریشان رہتا تھا۔ اس کے چہرے سے پریشانی و بے اطمینانی صاف ظاہر تھی۔ اپنی موت سے پہلے اس نے شرارتی کو نصیحت کی۔ دیکھو بیٹے! جنگل سے باہر کبھی نہ جانا۔ کیونکہ وہاں بہت خطرہ ہے۔ تم ہمیشہ اسی گھنے جنگل میں ہی رہنا۔ کیونکہ جنگل کے باہر انسانوں کی بستی ہے۔ انسان بہت عقل مند ہوتا ہے۔ اس پر قابو پانا ناممکن ہے۔ اس کے پاس ہرگز نہ جانا ورنہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ وہ اپنی عقل کے دم پر شیر، بھالو، ہاتھی، اونٹ اور بندر سب کو اپنے اختیار میں کر لیتا ہے۔ اس کے سامنے کسی کی ایک نہیں چلتی۔

کچھ دنوں کے بعد وہ بوڑھا شیر دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس کا بچہ شرارتی اب بڑا اور سمجھدار ہو گیا تھا۔ وہ جنگل میں ہر جگہ بے خوف ہو کر مستی سے گھومتا اور مزے کرتا تھا۔ اب شرارتی کو شکار کرنے کا ہنر بھی آ گیا تھا۔ وہ آئے دن چھوٹے چھوٹے جانوروں کو مار کر ان کا نرم اور تازہ گوشت کھاتا تھا۔ اسے خرگوش اور ہرن کا گوشت بہت پسند تھا۔ کبھی کبھی شرارتی اپنے بوڑھے باپ کی نصیحتوں کو نظر انداز کر کے جنگل کے باہر نکل جاتا۔ ایک دفعہ اس کے دل میں انسان سے ملنے اور اسے قریب سے دیکھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ ہزار تلاش و جستجو کے بعد جب شرارتی کی ملاقات انسان سے نہ ہو سکی تو اس نے جنگل کے ہر ایک جانور سے انسان کے بارے میں دریافت کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے شرارتی کی ملاقات جنگل کے ایک اونٹ سے ہوئی۔ شرارتی نے اونٹ کو انسان سمجھتے ہوئے اس سے پوچھا:

"کیا تم انسان ہو؟"

"نہیں جنگل کے راجہ میں انسان نہیں ہوں" اونٹ نے



جواب دیا۔

شرارتی نے اونٹ سے دوبارہ پوچھا ''انسان دیکھنے میں کیسا ہوتا ہے؟''

اونٹ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا''انسان بہت سمجھدار مخلوق ہوتا ہے۔خدا نے اسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے۔اپنی عقل سے وہ ساری دنیا کو انگلی پر نچاتا ہے۔''

اونٹ کی باتیں سن کر شیر کے دل میں انسان کو دیکھنے کی مزید خواہش پیدا ہوگئی۔ چلتے چلتے راستے میں اس کی ملاقات ایک ہاتھی سے ہوئی۔ہاتھی کو دیکھتے ہی اس نے سوچا کہ شاید یہی انسان ہے۔اونٹ کی طرح ہاتھی بھی بہت بڑا اور طاقتور جانور ہوتا ہے۔ ہاتھی جب نزدیک آیا تو شرارتی نے ڈرتے ہوئے پوچھا:

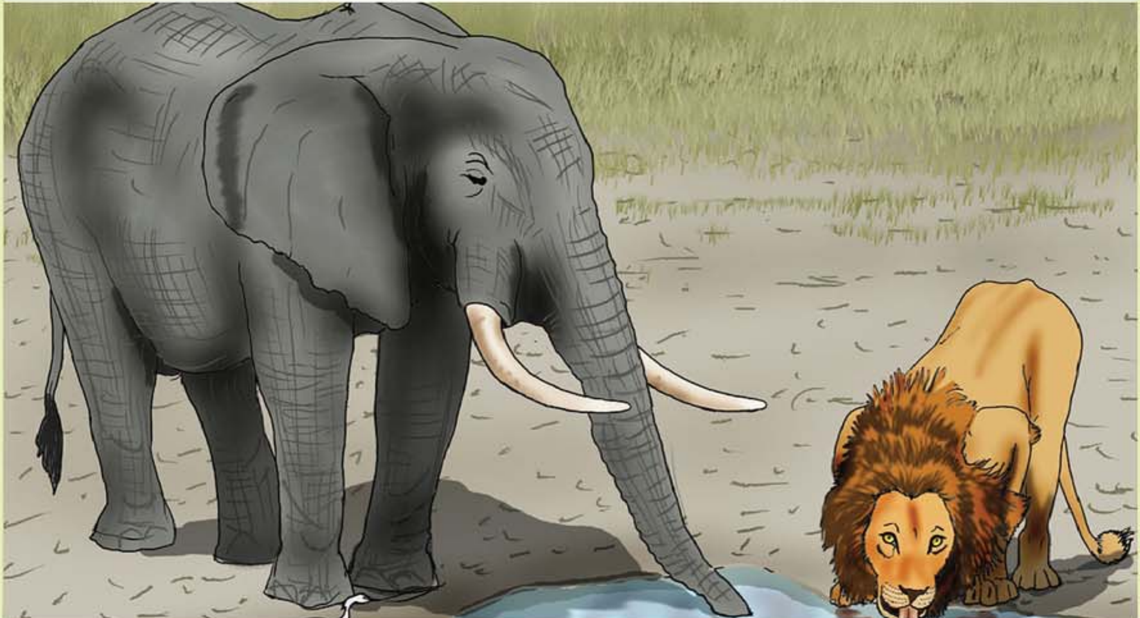
''کیا تم انسان ہو؟''

''ارے جنگل کے شہزادے !!میں انسان نہیں ہاتھی ہوں''اس نے صاف صاف جواب دیا۔

ہاتھی کا جواب سن شرارتی حیرت میں پڑ گیا۔اس نے ہاتھی سے دوبارہ پوچھا کہ''انسان کیسا ہوتا ہے؟

ہاتھی نے سونڈ ہلاتے جواب دیا'' انسان بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔خدا نے اسے عقل جیسی بیش قیمتی دولت سے نوازا ہے۔ ساری دنیا میں اس کی حکومت چلتی ہے۔ہم سب اس کی فرمانبرداری کرنے پر مجبور ہیں۔ انسان سے طاقت ور ہوتے ہوئے بھی میں اس کی اطاعت کرنے پر مجبور ہوں۔اے جنگل کے شہزادے !!انسانوں سے آپ کو بھی بچ کر رہنا چاہیے۔ورنہ کسی دن مشکل میں پڑ جائیں گے۔''

ہاتھی کی باتیں سن کر شرارتی حیرت اور غصے سے بھر گیا۔یہ سوچ کر اس کے اندر غرور پیدا ہوگیا کہ انسان مجھ سے طاقت ور کیسے ہوسکتا ہے؟میں جنگل کا راجہ ہوں۔وہ صبح سے شام تک اسی سوچ میں ڈوبا رہا۔اسے خیال آیا کہ جنگل کے سارے چھوٹے بڑے جانور میرا حکم مانتے ہیں۔میری اطاعت کرتے ہیں۔لیکن انسان مجھ سے طاقتور کیسے ہوسکتا





ہے؟ آخر کار اس بات سے حد درجہ پریشان ہو کر شرارتی انسان کی تلاش میں نکل پڑا۔ وہ راستے بھر جنگل کے جانوروں سے انسان کے بارے میں پوچھتا رہا۔ اسی بھاگ دوڑ میں شام ہو گئی۔ تیز پیاس سے اس کا حلق سوکھا جا رہا تھا۔ وہ جنگل کے کنارے کسی جھرنے سے پانی پی کر وہیں آرام کرنے لگا۔ اس کی نظر اچانک پیڑ کاٹتے ہوئے ایک لکڑہارے پر پڑی۔ لکڑہارے کو دیکھتے ہی اسے خیال آیا کہ شاید یہی انسان ہے! وہ آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھنے لگا۔ شیر کو اپنی طرف آتا دیکھ کر لکڑہارے کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

یکا یک دہاڑتے ہوئے شرارتی نے لکڑہارے سے پوچھا کہ ''کیا تم انسان ہو؟''

شیر کی خوف ناک آواز سنتے ہی لکڑہارے کا بدن کانپ اٹھا۔ ذرا ہمت سے کام لیتے ہوئے اس نے کہا ''ہاں شیر راجہ میں ہی انسان ہوں''

اس لکڑہارے کی کا جواب سنتے ہی شرارتی کا غرور ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ اس نے لکڑہارے کو للکارتے ہوئے کہا:

'' اے نادان انسان!! میرے سامنے تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ میں تمہیں ایک جھٹکے میں ختم کر سکتا ہوں۔ شاید تمہیں میری طاقت کا صحیح سے اندازہ نہیں۔ مجھ سے جنگل کے تمام جانور ڈرتے ہیں۔ ہاتھی اور اونٹ جیسے طاقتور جانور بھی مجھے اپنا راجہ مانتے ہیں۔

شرارتی کی شیخی سننے کے بعد لکڑہارا عقل سے کام لیتے ہوئے بولا ''ہاں شیر راجہ!! آپ نے بالکل درست فرمایا۔ دنیا میں آپ سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں۔ میں تو ایک کمزور انسان ہوں۔ آپ کے سامنے میری کوئی حیثیت نہیں۔ آپ جب چاہیں مجھے نگل سکتے ہیں۔ میرا شکار کرنے سے پہلے کیا آپ اس لکڑی میں پھنسی ہوئی چھینی نکال سکتے ہیں؟''

اس لکڑہارے کی بات سنتے ہی شیر دہاڑ مار کر بولا ''یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ کوئی مشکل اور ناممکن کام بتاؤ''

شیر کی حماقت پر لکڑہارا اندر ہی اندر مسکرا رہا تھا۔ وہ اس مغرور شیر کو سبق سکھانے کے فراق میں تھا۔ شرارتی نے جیسے ہی چھینی نکالنے کے لیے اپنا داہنا ہاتھ اس پھٹی ہوئی لکڑی میں ڈالا، چالاک لکڑہارے نے چھینی باہر کھینچ لی اور اس کا ہاتھ لکڑی کے درمیان پھنس گیا۔ بے بس شرارتی درد سے تڑپ اٹھا۔ اس کی ساری طاقت بے کار ہو گئی۔ یہ تماشا دیکھ کر لکڑہارا مسکراتے ہوئے بولا:

''اے جنگل کے راجہ! طاقت کے اعتبار سے انسان جانوروں سے بھلے ہی کمزور ہے لیکن خدا نے اسے عقل و شعور جیسی دولت سے نوازا ہے۔ اس دولت کی بدولت ہی ہم خدا کی بنائی ہوئی تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ اسی لیے ہمیں اشرف المخلوقات کہا گیا ہے۔ شرارتی شیر بری طرح پچھتا رہا تھا۔ اس مشکل گھڑی میں اسے اپنے باپ کی نصیحتیں یاد آ رہی تھیں۔ شرارتی کو اپنے غرور پر بے حد شرمندگی ہوئی لیکن اس کے پاس افسوس کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہ تھا۔

■

Dr. Mahboob Hasan
Asst Prof. Dept of Urdu, DDU
Gorakhpur University
Gorakhpur - 273009 (UP)



زیبا فاروقی



بلّی کا بھوت

نزہت کے اسکول میں آج چھٹی ہے۔ کتنا کام کرنا ہے نزہت کو آج۔ نانی صاحبہ نے وعدہ کیا ہے کہ اَب کی بار وہ آئیں گی تو نزہت کی گڑیا کے لیے ایک گڈا لے کر آئیں گی۔ پھر گڑیا کی گڈّے کے ساتھ شادی ہوگی۔ کتنا مزہ آئے گا۔ نزہت کے دن کاٹے نہیں کٹ رہے ہیں۔ کب نانی صاحبہ آئیں گی؟ کب اُس کی گڑیا دلہن بنے گی؟ کب اس کی ساری سہیلیاں اکٹھا ہوں گی؟ اب ساری سہیلیاں آئیں گی، گڑیا کی شادی ہوگی، تو کام بھی تو بہت ہوگا۔ ایک دن میں تو ہو نہیں سکتا۔ حالانکہ چھوٹی خالہ نے کہا تو ہے کہ وہ نانی صاحبہ کے ساتھ آئیں گی اور شادی کی ساری تیاری کروا دیں گی مگر چھوٹی خالہ کا کیا بھروسہ۔ ہر وقت کان میں ڈھکن لگا کر ہلتی رہتی ہیں۔ کچھ بولو تو ان کو سنائی ہی نہیں دیتا۔ کچھ بھی بات کرنی ہو تو پہلے ڈھکن ہٹاؤ، پھر بولو۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔

نزہت کا ہر چھٹی والا دن شادی کی تیاری میں ہی گزرتا ہے۔ اَمی نے اپنا لال دوپٹہ دے دیا ہے جس پر ستارے ٹنکے ہوئے ہیں۔ کنارے پر خوبصورت سنہرا گوٹا بھی لگا ہے۔ جگہ جگہ سے کٹا ہوا ضرور ہے مگر اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس دوپٹہ سے نزہت کا ایک دوپٹہ، گڑیا کے دو دوپٹے، گڑیا کی ساڑی، گڑیا کے گھر کے پردے، اور بھی نہ جانے کیا کیا بن جائے گا۔ تو آج اُس میں کچھ کام تو ہو ہی جانا چاہیے، نزہت نے سوچا مگر، اوہ ہو، اس کام کے لیے تو امی کی ضرورت ہے۔ اب امی کہاں غائب ہوگئی ہیں، نزہت نے چاروں طرف نظریں گھمائیں۔ پھر بھاگ کر دوسرے کمرے میں گئی۔ پھر پورا گھر جھانک لیا۔ امی کہیں نظر نہ آئیں۔

نزہت گڑیا کو بھول گئی۔ گڑیا کی شادی بھی بھول گئی۔ شادی کی تیاری بھی بھول گئی۔ امی کہاں چلی گئیں؟ گھر میں تو کہیں نہیں ہیں۔ باہر جاتیں تو نزہت کو بتا کر جاتیں۔

نزہت رونا شروع ہی کرنے والی ہی تھی کہ اچانک باورچی خانہ سے برتنوں کے گرنے کی زور کی آواز آئی۔ نزہت 'امی' پکارتی ہوئی باورچی خانہ کی طرف دوڑی۔ اور



باورچی خانہ میں داخل ہوتے ہی اس کی جان سوکھ گئی۔خون رگوں میں ٹھہر گیا۔دل اُچھل کر حلق میں اٹک گیا۔نزہت کے سامنے ایک چھوٹا سا بھوت کا بچہ کھڑا تھا۔اب یہ تو پتا نہیں کہ بھوت کے بچے کا ارادہ کیا تھا؟ مگر وہ نزہت کو دیکھ کر گیس کے سلینڈر کے پیچھے چھپ گیا اور نزہت کو جان بچا کر بھاگنے کا موقعہ مل گیا۔نزہت پوری طاقت سے چیختی ہوئی واپس بھاگی اور نہ جانے کہاں سے اُمی بھی بھاگتی ہوئی آگئیں۔''کیا ہوا نزہت؟ گر پڑیں تم کہیں؟ چوٹ لگ گئی کیا؟ ہوا کیا؟'' اور نزہت امی کی گود میں چڑھ کر ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

امی پریشان ہوگئیں۔نزہت کے ہاتھ پیر دیکھے۔سب ان کو ٹھیک ہی لگا۔تو وہ نزہت کو گود میں لیے ہوئے سونے کے کمرے میں آگئیں۔نزہت کو بستر پر بیٹھا کر بولیں ''آپ یہاں بیٹھیے بیٹا۔میں آپ کے لیے باورچی خانے سے پانی لے کر آتی ہوں۔'' اور نزہت پھر چیخی ''نہیں امی، وہاں مت جانا۔وہاں بھوت ہے؟'' ''کیا؟ بھوت ہے؟'' ایک لمحہ کو تو اُمی کو ہنسی آئی۔پھر انھیں خدشہ ہوا کہ کہیں گھر میں کوئی چور تو داخل نہیں ہوگیا؟ آج کے زمانے میں دن کو بھی کوئی بھروسہ نہیں۔کب کیا ہو جائے۔انھوں نے نزہت سے پوچھا، ''آپ کو کیسے پتا بیٹا کہ وہاں بھوت ہے؟ کسی کو دیکھا آپ نے وہاں؟'' نزہت نے ہاں میں زور سے سر ہلایا۔''کسے دیکھا آپ نے؟ کیسا دکھائی دیتا ہے؟'' کتنا بڑا ہے؟۔'' امی نے جلدی جلدی سارے سوال پوچھ ڈالے اور نزہت نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر چھوٹا سا بتا دیا،''اتنا سا۔''

امی ہنس پڑیں، اور اپنے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نزہت کی نقل اتارتے ہوئے بولیں،''اتنا سا۔'' اور نزہت اپنا خوف اور رونا بھول کر ناراض ہوگئی۔اپنی ناراضگی کو ظاہر کرتے ہوئے بولی،''ہاں، چھوٹا سا ہے۔بھوت کا بچہ ہے۔تو کیا ہوا؟ میں بھی تو چھوٹی ہوں۔بھوت کا بچہ۔مجھے کھا نہیں جائے گا اور کیا پتا اس کے ساتھ امی بھی ہوں؟'' امی کو پھر سے ہنسی آگئی۔نزہت کو گود میں اٹھا کر بولیں ''چلیے دیکھتے ہیں آپ کے بھوت کے بچے کو۔اس کی امی ہوئی تو اس سے بھی مل لیں گے۔'' مگر نزہت امی کی گود سے اتر گئی اور ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔بالکل ان سے لپٹ کر، ان کی شلوار کو پکڑ کر، کہ بس جب بھوت کا بچہ کھانے آئے گا تو وہ تو امی کے پیروں سے لپٹ جائے گی، اور بھاگنے کا کام تو امی کر ہی لیں گی۔

باورچی خانہ میں سامان بکھرا ہوا تھا۔آٹے کا کنستر الٹا پڑا تھا۔اس کے اوپر رکھا ہوا سبزیوں کا ٹوکرا بھی گرا پڑا تھا۔سبزی و ترکاریاں ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں۔ایک بات تو نزہت فوراً سمجھ گئی۔بھوت کا بچہ ہو، یا اس کی امی، یا اس کے ابا بھی آجائیں، اب ان کی خیر نہیں۔اُمی اُن کو پیٹ کر رکھ دیں گی۔اس خیال سے ہی نزہت کا خوف کافی کم ہوگیا۔مگر اس نے امی کے پیچھے سے نکلنے کی کوئی کوشش نہ کی۔بھوت کے بچے کا بھی کوئی بھروسہ ہے اور وہ نظر بھی نہیں آرہا تھا۔اس نے خود کو غائب کر لیا تھا''کہاں ہے آپ کا بھوت کا بچہ نزہت؟'' امی نے سوال کیا۔نزہت نے بس گیس کے سلینڈر کی طرف اشارہ کر دیا۔

امی نے ہاتھ بڑھا کر بھوت کے بچے کو اٹھا لیا اور نزہت کی طرف بڑھایا۔نزہت ہڑبڑا کر پیچھے ہٹی مگر نگاہیں بھوت کے بچے پر ہی قائم رہیں اور اچانک اس کے منہ سے نکلا، ''ارے، یہ تو بلی کے بچے کا بھوت ہے۔'' امی نے کہا،''بلی



کہانی

کے بچے کا بھوت نہیں بیٹا، بلی کا بچہ ہے۔ اس نے آٹے کا کنستر کسی طرح اپنے اوپر الٹ لیا ہے۔

امی نے بچے کو نزہت کی طرف بڑھایا، ''اس کو گھر سے باہر لے جایئے بیٹا۔ ڈر کر بھاگتے وقت شاید یہ ہڑبڑی میں آٹے کے کنستر میں گھس گیا ہوگا۔ ورنہ اس طرح آٹے سے نہیں بھرتا۔ سارا آٹا خراب کر دیا۔'' امی کو اب ذرا غصہ آ رہا تھا مگر نزہت نے بچے کو ہاتھ نہ لگایا۔ کہیں کاٹ لے تو۔ نہیں تو کیا پتہ پنجہ ہی مار دے۔ اب امی سچ مچ ناراض ہوگئیں۔ '' پکڑو نہ اس کو۔ ہر روز کتا لا دو، کتا لا دو کی ضد کرتی رہتی ہو۔ بلی نہیں پکڑ سکتیں تو کتا کیا پکڑو گی اور یہ تو بچہ ہی ہے۔ یہ کیا کرے گا۔'' امی پھر خود ہی باہر گئیں اور بچہ کو باہر رکھ کر دروازہ بند کرلیا۔ امی واپس باورچی خانے میں چلی گئیں۔ نزہت جا کر کھڑکی پر کھڑی ہوگئی اور باہر دیکھنے لگی کہ بچہ کدھر جاتا ہے اَب؟ مگر بچہ شاید ابھی بھی ڈرا ہوا تھا، یا جو بھی وجہ ہو، وہ کہیں گیا نہیں۔ باہر کیاریوں میں تمام پھولوں کے اور کچھ سبزیوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ انہی میں سے ایک جھاڑی نما پیڑ کے نیچے جا کر دبک کر بیٹھ گیا۔

نزہت نے دیکھا کہ وہ دیر تک وہاں سے ہلا ہی نہیں، تو اس کو فکر ہونے لگی اور اس کے پاس ہر فکر، ہر پریشانی کا ایک ہی حل تھا۔ امی۔ وہ باورچی خانہ میں پہنچی تو امی سارا سامان ٹھیک کر چکی تھیں، اور شاید اپنے لیے چائے بنا رہی تھیں۔ ''امی'' نزہت بولی، ''بچہ اپنے گھر نہیں جا رہا۔ باہر ہی بیٹھا ہے۔ کہیں راستہ تو نہیں بھول گیا؟'' امی بولیں، ''نہ جانے کہاں سے آیا ہے۔ یہاں کوئی بلی تو ہے نہیں۔ نہ ہی آس پڑوس کے کسی گھر میں بلی پلی ہے۔ کسی دوسرے علاقہ سے ہی بھٹک کر ادھر آ گیا ہوگا۔'' امی نے ایک پیالے میں دودھ نکال کر نزہت کی طرف بڑھایا، ''لو، اس کو پلا دو۔'' ''بلی کے بچے کو؟'' نزہت خوشی سے بولی، ''امی امی، ہم اسے پال لیں؟'' امی نے کہا، '' پال لو۔ کتا پالنے سے تو اچھا ہی ہے۔ بلی گھر میں گندگی نہیں کرتی مگر کل کو کوئی اس کو لینے آ گیا تو؟'' ''تو دے دیں گے۔'' نزہت نے کہہ دیا، مگر دل میں کوئی ارادہ نہ تھا۔ آئے گا تو دیکھیں گے۔

اور یہی بات اُمی کے منہ سے بھی نکلی، ''آئے گا تو دیکھیں گے۔ میں اُس کو کہیں لے کر جانے والی نہیں معلوم کرنے۔ ایسے ہی باہر چلا گیا تو کیا پتہ گلی کے کتے اس کو مار دیں۔ جا کر اس سے پوچھو کہ وہ تمھارے ساتھ رہے گا بھی۔ میں چائے پی کر آتی ہوں۔ تب تک ٹکا رہا تو میں اس کو صاف کر دوں گی۔ پھر گھر کے اندر لے آئیں گے۔'' نزہت خوشی سے اچھلتی ہوئی دودھ کا پیالہ لے کر باہر کی طرف بھاگی۔ بچہ اب بھی وہیں تھا۔ نزہت نے پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ بچے نے ایک لمحہ اس پیالے کی طرف دیکھا، دوسرے لمحے نزہت کی طرف، اور تیسرے لمحے میں پیالہ صاف ہوگیا۔ بچہ دودھ پی کر خود ہی نزہت کے سامنے آ کر بیٹھ گیا، اور ایسی نظروں سے اس کو دیکھنے لگا، جیسے کہہ رہا ہو۔ ''نزہت، مجھے گود میں اٹھا لو۔'' نزہت نے اپنے ہاتھ بڑھا کر پوچھا، ''پیارے بچے، میرے ساتھ رہو گے؟'' پیارے بچے نے جواب دیا، ''میاؤں۔'' اور کود کر نزہت کی گود میں آ گیا۔

■

Zeba Farooqui
GC - IV, 0/3 Ganga Canal Colony
Lal Diggal, Aligarh (UP)



سالک جمیل براڑ



اسکول چھوڑنے کا انجام

بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں
اپنی قسمت کو آزماتا ہوں
لوٹتا ہوں کبھی میں خالی ہاتھ
اور کبھی جیب بھر کے لاتا ہوں
بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں

شہر سے گاؤں گاؤں جاتا ہوں
بار تقدیر کا اٹھاتا ہوں
روز سہہ کر یوں وقت کے کوڑے
چند سکے کہیں میں پاتا ہوں
بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں

جو پڑھائی میں من لگاتے تھے
میرے ساتھی مجھے نہ بھاتے تھے
بیگ اٹھاتے تھے وہ کتابوں کا
وقت کا بوجھ میں اٹھاتا ہوں
بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں

روز ہوتی ہوں بارشیں چاہے
لاکھ آتی ہوں آفتیں چاہے
جسم جلتا ہو دھوپ میں کتنا
خوف کس سے بھلا میں کھاتا ہوں
بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں

گھاس منڈی بھی روز جاتا ہوں
بیل کی گھاس لے کے آتا ہوں
خوب کرتا ہوں مالشیں اُس کی
اور گوبر کبھی اٹھاتا ہوں
بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں

دوست میرے جہاز اڑاتے ہیں
زندگی کے مزے اٹھاتے ہیں
شہر میں ان کی کتنی عزت ہے
میں حقارت سے دیکھا جاتا ہوں
بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں

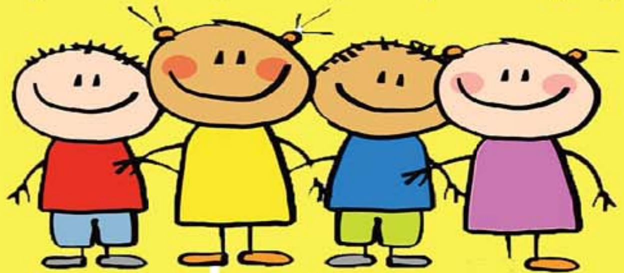
سبزی منڈی سے سبزیاں لاتا
دانہ منڈی سے ناج اٹھواتا
پیٹھ پر لادتا ہوں بوجھ منوں
اور سر پر کبھی اٹھاتا ہوں
بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں

مار جب ٹیچروں کی کھاتا تھا
روز مکتب سے بھاگ جاتا تھا
پھل چراتا تھا خوب باغوں سے
آج اس کی سزا میں پاتا ہوں
بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں

روز اپنے کیے پہ روتا ہوں
ایک دن چین سے نہ سوتا ہوں
میرے اسکول! چھوڑنے کی تجھے
دیکھ اب تک سزا میں پاتا ہوں
بیل ریڑھا سدا چلاتا ہوں

■

Salik Jamil Brar
W-14/520, Brar Street
Hazrat Sheikh Road Malere
Malerkotla - 148023 (Punjab)

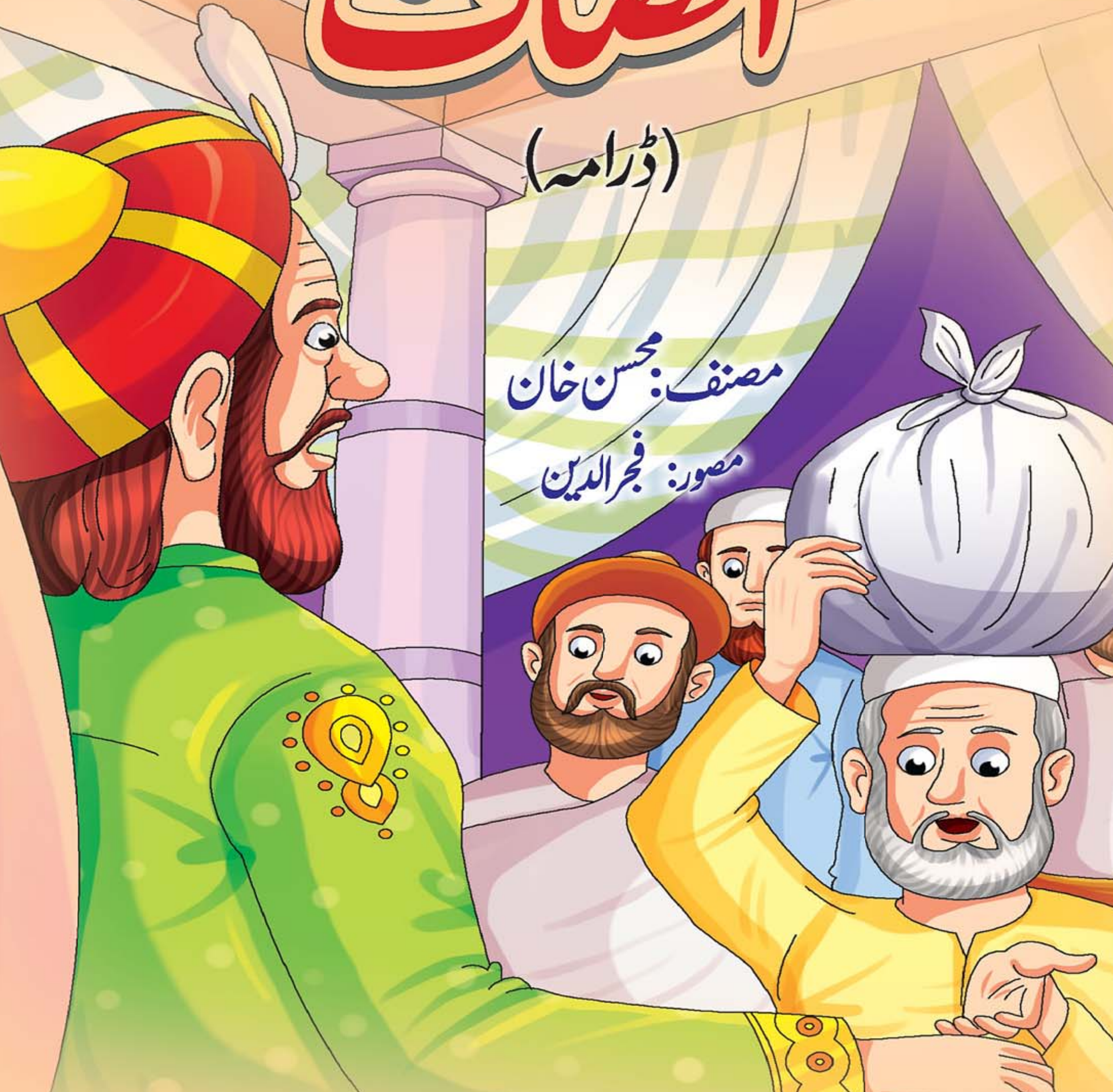




دوسری قسط

انصاف

(ڈرامہ)



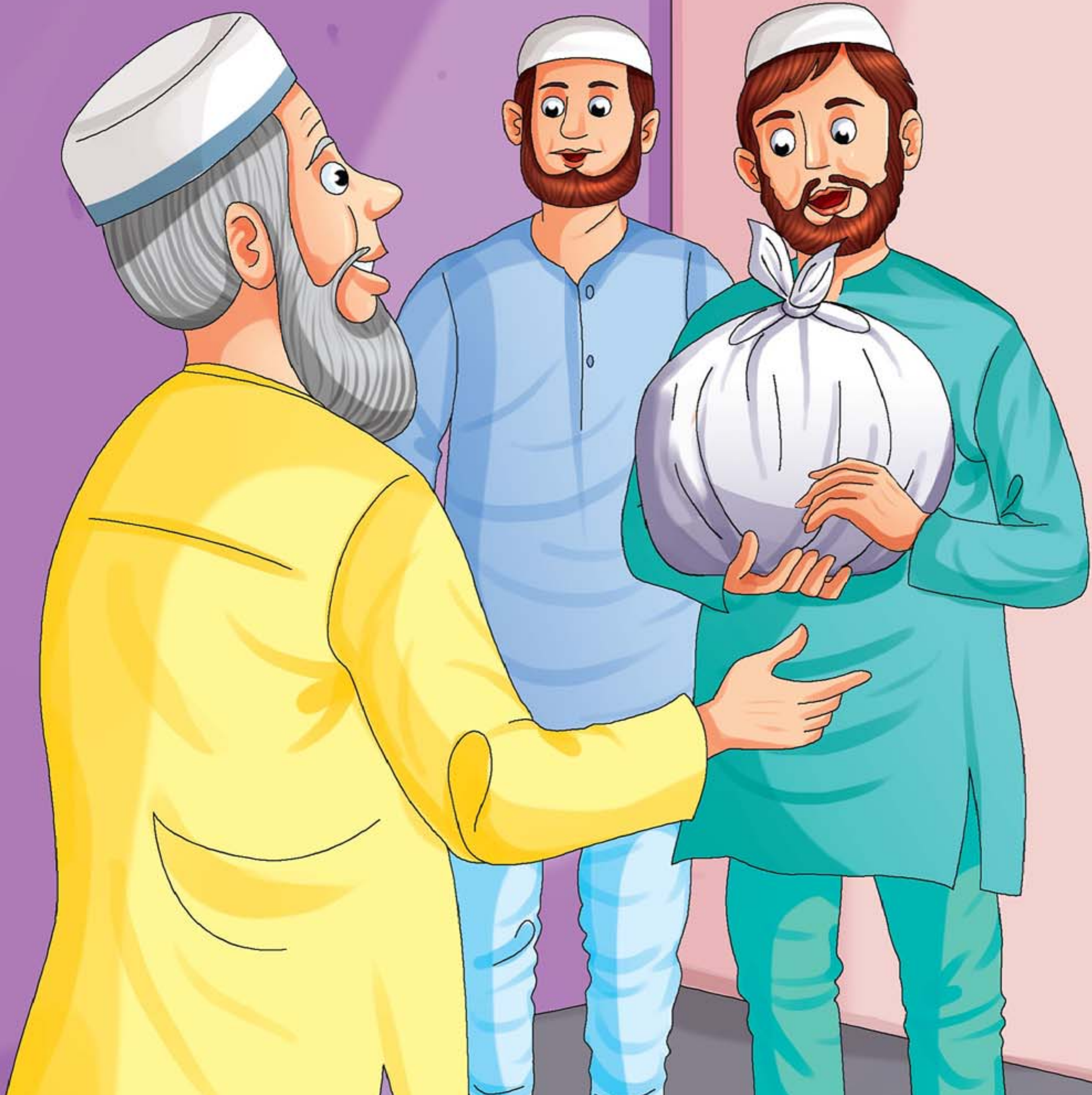
(انصار کے جانے کے بعد دونوں اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔ سرائے میں اندھیرا اور خاموشی ہے)

امیر علی: پتہ نہیں اس اجنبی نے صحیح جگہ پہنچایا ہے یا غلط جگہ پہنچا دیا؟

ہادی : آدمی تو اچھا معلوم ہو رہا ہے۔

امیر علی: کیا پتہ اس کا گھر یہاں نہ ہو، اس نے جھوٹ بولا ہو۔

ہادی : لیکن، ہم کر بھی کیا سکتے ہیں سوائے اس کے کہ رُک جائیں یا یہاں سے چلے جائیں۔ سفر میں زیادہ خطرہ ہے،



اس لیے یہیں رُکتے ہیں خدا کو جو منظور ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔

(ذرا دیر کے بعد انصار آتا ہے اس کے ایک ہاتھ میں چراغ اور دوسرے میں طشتری ہے، طشتری میں کھانا ہے)

انصار: بھئی معاف کیجیے گا، اس وقت جلدی میں اپنی حیثیت کے مطابق جو کچھ میسّر تھا آپ کے لیے حاضر ہے۔

امیر علی: کھانا تو ہم لوگوں نے راستے میں ہی کھا لیا تھا۔

ہادی : ہم لوگ چلتے چلتے اس قدر تھک گئے ہیں کہ اب کھانا کھانے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔

انصار: خیر، رات کو بھوک لگے تو کھا لیجیے گا۔ اچھّا تو میں چلتا ہوں۔ صبح ملاقات ہوگی۔

(انصار چلا جاتا ہے)



امیر علی: کیا پتہ اس نے کھانے میں زہر مِلا دیا ہوتا کہ جب ہم لوگ کھانا کھانے کے بعد مر جائیں تو وہ ہماری گٹھری اُٹھا لے جائے۔

ہادی : مجھے تو اس کے دل میں کوئی کھوٹ نظر نہیں آئی، میں تو کھانا کھاؤں گا۔

(ہادی کھانا کھاتا ہے، امیر علی کچھ سوچنے لگتا ہے)

امیر علی: تم سو جاؤ میں جاگتا رہوں گا۔

ہادی : سو کیوں نہیں جاتے، میرے خیال میں یہاں کوئی



خطرہ نہیں اور کوئی بات نہیں اور کوئی بات ہوگی تو اجنبی کو پکار لیں گے۔

امیر علی: سب سے زیادہ خطرہ تو اُسی سے ہے اس لیے میں نہیں سوؤں گا۔

ہادی: میں تو سوؤں گا۔

(ہادی سو جاتا ہے۔ امیر علی گٹھری دبوچے بیٹھا رہتا ہے)



جاری......

آٹھویں قسط

شہر میں ایک جنگل



مصنف: کمارن ست سیوم
مترجم: عباس آصف

قسط وار

پیارے دوستو! آپ نے بچوں کی دنیا میں کئی اچھے اور مشہور ناولوں کو پڑھا ہے۔ 'شہر میں ایک جنگل' جنگلوں کی دنیا، پیڑ پودوں اور مختلف حشرات الارض کی معلومات پر مبنی ایک دلچسپ سلسلہ ہے جس کے مصنف کمارن ستیہ سیوم ہیں جو ماحولیات اور جنگلاتی زندگیوں پر لکھتے رہے ہیں۔ ان کی کتاب میرین میمل آف انڈیا بھی کافی مقبول ہوئی تھی۔ انہوں نے 1990 میں یہ کتابForest in the City لکھی تھی۔ اِس کتاب کو ماحولیات پر بچوں کے لیے لکھی گئیں کتابوں پر پہلا انعام بھی دیا گیا تھا۔ کمارن ستیہ سیوم آئی آئی ٹی مدراس (چنئی) میں سات برسوں تک رہے تھے۔ آئی آئی ٹی اس وقت 600 ایکڑ سے بھی زیادہ کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور زیادہ تر گھنے جنگلوں پر مشتمل تھا۔ کمارن ستیہ سیوم نے ان جنگلوں میں مختلف تجربات کیے تھے اور ان تجربات کو ہی کتابی شکل دی تھی جسے 'بچوں کی دنیا' میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

ایک مرتبہ میں جھیل کے پاس پگڈنڈی پر جارہا تھا جب کہ مجھے پانی کے ایک سرے سے ٹرٹر کی آواز سنائی دی۔ میں نے اس آواز کی طرف نظر کی اور دیکھا کہ ایک مینڈک ایک سانپ کے منہ میں ہے جو پانی کے قریب بیٹھا ہے۔ میری دلچسپی کا ٹھکانہ نہ رہا اور سانپ کی طرف تیزی سے جانے کی غلطی کربیٹھا۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے ڈر کر مینڈک کو گرا دیا اور میرا تصور ہے کہ اس کی آنکھیں غصے سے پھیل گئیں۔ وہ پانی کی طرف چلا اور بہت تیزی سے غائب ہوگیا۔ مینڈک بہت کمزوری سے اچھلتا ہوا چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ سانپ بے وجہ ڈر کی وجہ سے انسانوں سے دور بھاگتا ہے۔ اسی طرح جس طرح لوگ بے وجہ سانپ سے ڈرتے ہیں۔

بہت عرصے بعد میں نے ایک سانپ کو دیکھا جس کے منہ میں مینڈک کا بچہ تھا۔ یہ سانپ چار پانچ فٹ لمبا تھا اور بھدّے بھورے سفید رنگ کا تھا۔ یہ کیچڑ آلود پانی کے پاس لیٹا تھا اور بدقسمت مینڈک کا بچہ اس کے منہ میں تھا۔ جب وینکٹیش اور میں نے شکار کی لاغر اور مردہ آواز سنی تو میں نے وینکٹیش کی طرف اشارہ کیا کیونکہ میں پرانے واقعے کو دہرانا نہیں چاہتا تھا بلکہ سانپ کو اسے ہڑپ کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ ہم نے چند لمحے انتظار کیا اور آخرکار ٹرٹر کی آواز ختم ہوگئی۔ سانپ ہم سے کافی فاصلے پر تھا اس لیے ہم یہ نہ دیکھ سکے کہ اس نے بچہ کتنا ہضم کرلیا تھا۔ جب مجھے یہ یقین ہوگیا کہ مینڈک کتنا آگے پہنچ چکا تھا کہ سانپ اسے اگل نہ سکتا تھا، ہم سانپ کے پاس گئے۔ ایک مرتبہ سانپ پھر تیزی سے بھاگ گیا۔ ہم نے محسوس کیا کہ آدھے ہضم کیے ہوئے مینڈک کے بچے کی وجہ سے سانپ تیزی سے نہیں چل سکتا تھا، اسے



رکنا پڑ رہا تھا جس سے ہم اسے بغور دیکھ سکتے تھے۔ بہرحال سانپ نے کھانس کر مینڈک کو باہر نکال دیا اور حفاظت کے مقام پر چلا گیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مینڈک کے بچے کا جسم جو سانپ کے منہ میں بہت تھوڑی دیر کے لیے رہا ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ بہرحال مجھے سانپ کی نسل کے بے خوف ہونے کا بالکل یقین نہیں ہے اور میں اسے ڈرپوک جانور سمجھتا ہوں۔

ان چند واقعات کو چھوڑ کر میں نے شاید کسی سانپ کو کیمپس میں دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہاں بہت کم سانپ اور دوسرے رینگنے والے جانور تھے۔ اگر میں نے ایم اے کے نصاب میں داخلہ لیا ہوتا تو میرا یہ نظریہ قائم رہتا کہ وہاں زیادہ رینگنے والے جانور نہیں تھے۔ جب میں نے تجرباتی کام شروع کیا تو مجھے احاطے کے قریب لیبارٹری میں جانا پڑتا تھا جو اس احاطے کے قریب تھی جو گنڈمی پارک کو آئی آئی ٹی سے جدا کرتا تھا اور اس علاقے کا سبزہ گھنی اور گھٹنوں تک کی گھاس پر مشتمل تھا اور چند کیکر وغیرہ کے درخت تھے۔ کیمپس کا یہ حصہ رینگنے والے جانوروں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں اکثر میں نے جوٹی تازی چھپکلیاں دیکھیں جن کی چھوٹی ٹانگیں تھیں اور مچھلیوں کی طرح نظر آتی تھیں جو دھوپ میں بیٹھ کر اپنے آپ کو سینکتی تھیں جن کے نیلے اور ہرے رنگ چمکتے تھے۔ جہاں میں اکثر و بیشتر جاتا تھا۔ دوسری طرح کی چھپکلیاں بھی تھیں جن میں خون چوسنے والی چھپکلی بھی تھی جو گری ہوئی شاخوں پر اور خشک پتیوں پر کیڑے مکوڑے کھاتی تھیں۔ وہاں گھریلو چھپکلی بھی پائی جاتی تھی جنھیں ہم اپنے گھروں میں رات کو روشنی کے پاس کیڑے پکڑتے دیکھتے ہیں۔ یہ چھپکلی درخت کی چھال میں اپنے جسم کو چھپا لیتی تھی اور ہم رنگ ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتی تھی۔ وہ چھپکلیاں جو معمل (Laboratary) کے اندر پائی جاتی تھیں، پیلے رنگ کی ہوتی تھیں۔ یہ چھپکلیاں اپنے مقام سے ٹک ٹک کی صدا نکالتی تھیں۔

چھپکلیوں کے علاوہ اس علاقے میں بہت سے سانپ بھی تھے۔ پہلے ہی دن جب میں لیبرٹری میں اپنی سائیکل پر پہنچا تو میں نے ایک انگور کی بیل والے سانپ کو اپنی سائیکل سے تقریباً کچل دیا۔ میں تیزی سے جا رہا تھا اور سانپ ایک گھاس کے میدان سے دوسرے میں جا رہا تھا۔ وہ میری سائیکل کے دونوں پہیوں کے درمیان میں آ گیا اور صاف بچ کر نکل گیا۔ اتنا ضرور ہوا کہ تھوڑی دیر کے لیے ہم دونوں کے دل ضرور دھڑکتے رہے۔

ایک اور دن جب میں لیبارٹری کے پاس پیدل جا رہا تھا اور چھوٹے چھوٹے کن کھجوروں کو دیکھ رہا تھا جو بارش کے بعد وہاں نظر آتے ہیں۔ کن کھجورے بہت چھوٹے ہوتے تھے جن کی چمکتی ہوئی کالی کھال پر سنہرے دھبے اور دو دھاریاں ان کی پشت پر ہوتی تھیں۔ میں نے انھیں زمین پر رینگنے کے علاوہ اور کوئی کام کرتے نہیں دیکھا۔ نہ انھیں کچھ کھاتے ہوئے دیکھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کچھ کھاتے ہیں یا نہیں۔ جب میں یہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ منہ کیسا ہوتا ہے تو ایک تین فٹا سانپ اس جگہ گرا جہاں میں چل رہا تھا۔ چند لمحے کے لیے سانپ پر سکتہ طاری ہو گیا اور کچھ دیر کے لیے وہ خاموش بیٹھا رہا جیسے حواس بحال کر رہا ہو۔ میں نے دیکھا کہ وہ گول دھاری والا چاکلیٹی بھورے رنگ کا سانپ تھا جس پر تانبے جیسی دھاریاں لمبائی میں جا رہی تھیں۔ اس کے فنس ایسے چمک





رہے تھے جیسے پالش کیا گیا ہو۔ اپنے آپ کو سنبھال کر وہ گھاس کے میدان میں چلا گیا۔ مجھے بہت تعجب ہوا کیونکہ تب تک میں یہ جان چکا تھا کہ انسان کو دیکھ کر سانپ کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے۔

چند دن بعد میں نے سانپ کی اس قسم کو دوبارہ دیکھا۔ اس سانپ کو کانسے کی پشت والا سانپ کہتے تھے اور یہ نام اس کی شکل کے مطابق تھا۔ یہ سانپ سڑک پار کر رہا تھا جب میں نے اور میرے دوست نے اسے دیکھا ہم اسے ایک بیل پر چڑھتے دیکھتے رہے جو انجیر کے درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ سانپ تیزی سے چلتا رہا اور جلد نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو سانپ میں نے پہلے دیکھا تھا وہ اس سے چھوٹا تھا اور اپنی چلنے میں مہارت کی وجہ سے جلد نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے اعتماد کی بنیاد پر زمین سے درخت پر چڑھنے کی کوشش کی ہوگی۔

دوسرا رینگنے والا جانور جو میں یہاں اکثر و بیشتر دیکھتا تھا چھپکلی سے مشابہ تھا لیکن وہ چھپکلی کے خاندان کا نہیں تھا اور سانپ کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ یہ رینگنے والا جانور Monitor Lizard تھا۔ یہ گھریلو چھپکلی اور دوسری چھپکلیوں سے بہت بڑا تھا۔ اس کے جسم کو بتانے کے لیے سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ ایک نیولے یا چھوٹی بلی کی جسامت کا تھا۔ اس کی لمبی گردن تھی اور اس کا سر بہت چھوٹا تھا اور تھوتھنی یا ناک نکیلی تھی۔ اس کی زبان سانپ کی طرح ہوتی ہے اور سانپ کی طرح اپنی زبان کو بار بار باہر نکالتا ہے۔ اس کی دم بھی چھوٹی چھپکلی سے مختلف ہوتی ہے۔

اس چھپکلی کی چال عجیب وغریب ہے۔ اس کا جسم اور سر زمین پر چلتے وقت اِدھر اُدھر ہلتے رہتے ہیں۔ کھانے کی عادات میں یہ گوشت خور ہے۔ یہ انڈے، چڑیاں، کیڑے اور چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑے جو اس کے ہاتھ آتے ہیں کھالیتی ہے۔ تحقیق کا طالب علم ہونے کی وجہ سے لیبوریٹری



میں، میں نے اس چھپکلی کو دیکھا تھا جہاں یہ تھی۔ یہاں لیبوریٹری میں یہ مستقل طور سے ملنے لگیں۔ متعدد بار جب میں چہل قدمی کو جاتا ہوتا تھا انھیں رینگتے دیکھتا۔ بعض اوقات اپنے ڈیسک پر بیٹھے ہوئے میں نے انھیں باہر دیکھا۔ یہ خشک پتیوں پر آہستہ آہستہ چلتی ہیں اور ایک اصول کے تحت غذا کی تلاش میں نکلتی ہیں۔ ایک چھپکلی لیبوریٹری کے باتھ روم میں ٹھنڈ کی وجہ سے زیادہ ملتی تھی۔ جب کوئی دروازہ کھولتا تھا تو وہ باتھ روم کے فرش کے بیچ میں بیٹھی ہوتی تھی اور بھاگ کر دیوار پر چڑھ جاتی تھی۔ اس کی لمبائی دو تین فٹ تھی جو وہاں کا اوسط ناپ ہے۔ اس ناپ کو بڑی ناپ نہیں کہا جاسکتا۔ پانی کی چھپکلیاں اس سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔ کموڈو چھپکلی جو انڈونیشیا کے جزیروں میں ملتی ہیں دس فٹ تک لمبی ہوتی ہیں۔ ان کا عام سائز آٹھ فٹ کا ہوتا تھا اور تقریباً 100 کلوگرام ان کا وزن ہوتا ہے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ یہ چھپکلی عام چھپکلیوں کی طرح دیوار پر کس طرح چڑھ جاتی ہے۔ اتنی بڑی مخلوق ہونے کی وجہ سے اور گوشت خور ہونے کی وجہ سے یہ چھپکلی انسان کے لیے خطرہ ہے۔ انھیں مگرمچھ کی طرح سمجھنا چاہیے۔ صرف اتنا ہے کہ یہ انسانی رہائش گاہ کے پاس رہتی ہیں۔ ضرورت پڑنے پر یہ بہت اچھی طرح تیرلیتی ہیں۔

میں نے دیکھا کہ یہ چھپکلی اوپر چڑھنے میں بھی بہت ماہر ہے۔ ایک مرتبہ میں نے ایک چھپکلی کو ایک سیدھے درخت کے تنے پر گلہری کی رفتار سے چڑھتے دیکھا۔ دوسری چھپکلی جو چھوٹی تھی ہوسٹل کی دراڑ میں بارش کے وقت چھپ جاتی تھی۔ یہ چھپکلی باغ میں پائے جانے والے گرگٹ سے بڑی ہوتی تھی۔ میں نے اس چھپکلی کو درخت کے کھوکھلے حصے میں اکثر و بیشتر بیٹھے دیکھا۔ غالباً وہ یہ سمجھتی تھی کہ اسے وہاں کوئی نہیں دیکھ





سکتا۔ میں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ اسے براہِ راست نہ دیکھوں تاکہ وہ ڈر کر بھاگ نہ جائے۔ بہت سے لوگ ان چھپکلیوں کو دیکھ کر اپنی برداشت کھو بیٹھتے ہیں اور انھیں پتھر سے مار ڈالتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ ایک چھپکلی کو نائیلون کی رسی میں پھنسایا تھا۔ یہ رسی اس کے پیٹ کے چاروں طرف لپٹ گئی تھی اور اس کے ایک سرے پر لوہے کی ایک چھوٹی سی چھڑی بندھی تھی۔ چھپکلی ناکام کوشش کر رہی تھی کہ اسے اس پھندے سے نجات ملے اور وحشیانہ پن سے اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔ آخرکار اس نے ایک پائپ سے گزرنے کی کوشش کی اور یہاں بالکل پھنس گئی کیونکہ لوہے کی چھڑی پائپ کے منہ میں پھنس گئی اور جانور کو حرکت کرنے سے باز رکھا۔ ظاہر تھا کہ چھپکلی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ وہ پیچھے مڑ کر پائپ سے باہر نکل آئے۔ میں چھپکلی کے قریب گیا اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ کسی حادثے کی بنا پر نائیلون میں نہیں پھنسی تھی بلکہ کسی نے وہ رسی اس کے چاروں طرف باندھ دی تھی کیونکہ کمر پر گرہ لگی تھی۔ میں تیزی میں لیبوریٹری گیا اور تار کاٹنے کی قینچی مانگ کر لایا۔ مجھے معلوم تھا کہ کچھ لوگ اس چھپکلی کا گوشت کھاتے ہیں اور اسی لیے اسے باندھا گیا ہے۔ میں نے اسے بچانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے تیزی کی ضرورت تھی۔ وہ شخص جس نے اسے پکڑا ہوگا اس نے زمین پر ڈھیلے کھونٹے میں اسے باندھ دیا ہوگا۔ اب جب کہ چھپکلی نے اس کھونٹے کو توڑ لیا تھا وہ شخص اس کی تلاش میں دوبارہ آسکتا ہے جب کہ چھپکلی بہت تیزی سے کوشش کر رہی تھی اور چھڑی پائپ سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ لازمی طور پر سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے گی۔ جب میں واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ ہوا بازی سے متعلق..... شعبے کے ایک پروفیسر وہاں موجود تھے جو بہت حیرانی سے چھپکلی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بھی جانور کو بچانا چاہتے تھے۔ جب میں نے انھیں بتایا کہ اصل ماجرا کیا تھا اور چھپکلی وہاں کیسے پھنس گئی تھی، ہم دونوں ساتھ ساتھ چھپکلی کے پاس پہنچے جو اب تک بالکل تھک چکی تھی۔ ہمیں دیکھ کر وہ خوف زدہ ہوگئی اور پھر آزادی کے لیے کوشش کرنے لگی۔ نائیلون سے اس کا جسم کٹنے لگا۔ جب میں کٹر اس کے قریب لے گیا تو وہ ایسی غضب ناک ہوئی کہ مجھے یہ خوف ہوا کہ وہ اپنی بے چینی میں میرے کاٹ نہ لے یا کھرچنے کی کوشش نہ کرے لہٰذا پروفیسر نے چھڑی اٹھائی تو چھپکلی تیزی سے جھاڑی میں بھاگ گئی۔ میں اسے آزاد دیکھ کر بہت خوش تھا اور مجھے امید تھی کہ وہ کافی عرصے تک زندہ رہے گی۔ مجھے اس بات کا افسوس تھا کہ وہ پھندا اب تک اس کے جسم پر تھا مگر امید تھی کہ وہ جلد ٹوٹ کر الگ ہوجائے گا اور چھپکلی کو اس سے نقصان نہیں پہنچے گا۔

ایک دوسرا دلچسپ تجربہ مجھے ایک چھوٹی چھپکلی کے ساتھ ہوا۔ یہ چھپکلی جس کی میں شناخت نہ کرسکا بہت چھوٹی تھی اور زمین پر رہتی تھی۔ اس کی اگلی ٹانگیں لمبی تھیں اور پچھلی چھوٹی۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ مستقل طور سے کسی کی تلاش میں ہے۔ اپنی حرکات وسکنات سے وہ چھپکلی کے بجائے ایک کیڑا نظر آتی تھی۔ وہ شاہانہ انداز سے اپنے سر کو اِدھر سے اُدھر ہلاتی رہتی تھی۔

(جاری...)

■

ماخذ: شہر میں ایک جنگل، **مصنف:** کمارن ست سیوم، **مترجم:** عباس آصف، **مصور:** بی جی ورما، **ناشران:** چلڈرن بک ٹرسٹ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ



حارث انصاری برہانپوری

کہکشاں

اردو کامیابی کی کنجی ہے

زید، فہیم، ارسلان تینوں بہت اچھے دوست تھے، ہمیشہ ساتھ رہتے ساتھ کھیلتے۔ فہیم اور ارسلان کے والد سرکاری ملازم تھے جبکہ زید ایک غریب کسان کا بیٹا تھا۔ جب تینوں بڑے ہوئے اوران کے والدین نے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اسکول کا انتخاب کیا تو فہیم اور ارسلان کے والدین نے بچوں کی تعلیم کے لیے شہر کے سب سے مہنگے انگریزی اسکول کا انتخاب کیا۔ اپنے دوستوں کو انگریزی اسکول میں جاتا دیکھ کر زید نے بھی اپنے والد سے انگریزی اسکول میں داخلے کے لیے ضد شروع کردی۔ زید کے والد نے اسے سمجھایا۔ بیٹا! ہم نے تمھارے لیے اردو اسکول کا انتخاب کیا ہے۔ اردو ہماری مادری زبان ہے اگر تم اردو جانو گے تو دینِ اسلام کو ٹھیک طرح سمجھ پاؤ گے کیونکہ ہمارے ملک میں اکثر دینی کتابیں اردو میں ہی چھپتی ہیں اور پھر تمھارے اسکول میں اردو کے ساتھ انگریزی اور ہندی بھی پڑھائی جائے گی جبکہ تمھارے دوستوں کی سبھی کتابیں انگریزی میں ہوں گی تم اردو میڈیم سے پڑھو گے تو تم تین زبانوں کے مالک رہو گے جبکہ تمھارے دوست صرف انگریزی ہی پڑھ اور لکھ سکیں گے اور بیٹا تمھارا اردو کا تلفظ صحیح ہوگا تو تم انگریزی اور ہندی بھی صحیح بول اور لکھ سکو گے۔ بیٹا! بچوں کی تعلیم وتربیت ان کی مادری زبان میں ہی ہونی چاہیے وہی بچے علمی میدان میں ترقی کرتے ہیں جن کی تعلیم وتربیت ان کی مادری زبان میں ہوتی ہے۔ زید نے اپنے والد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا! لیکن ابو انگریزی میڈیم سے پڑھنے والوں کو نوکری جلد ہی مل جاتی ہے اور اردو میڈیم سے پڑھنے والوں کو نوکری نہیں ملتی۔ زید کے والد نے برجستہ جواب دیا۔ نہیں! بیٹا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اردو میڈیم سے پڑھنے والوں کو نوکری نہیں ملتی۔ تمھارے دوستوں کے والد بھی تو اردو میڈیم سے ہی پڑھے ہیں، مگر وہ تو سرکاری ملازم ہیں۔ اپنے والد کی باتیں سن کر زید کا دماغ روشن ہو گیا اور اسے ساری باتیں سمجھ میں آ گئیں۔ زید نے اپنے دوستوں کو بھی اسی طرح سمجھایا زید کی باتیں سن کر انہوں نے اپنی راہ لی۔ اب زید خوشی خوشی اسکول جانے لگا، وہ بہت ہی ذہین تھا۔ ہر کلاس میں وہ امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کرتا رہا۔ اس کے برعکس اس کے




فاضلہ الفت

دوستوں کے نمبرات ہمیشہ اس سے کم رہتے کیونکہ وہ ایک اجنبی زبان کا بوجھ اٹھا رہے تھے اور زید اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، اب وہ میٹرک کا امتحان پاس کر چکا تھا جس میں اس نے اپنے صوبے میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے تھے۔ میٹرک کے بعد تینوں نے گریجویشن اور پھر اس کے بعد M.A کیا۔ اسی دوران سرکار کی جانب سے معلّم کے لیے بھرتی نکلی۔ اردو اسکول میں انگریزی کے لیے ایک سیٹ تھی زید اور اس کے دوستوں نے نوکری کے لیے درخواست دی۔ انھیں امید تھی کہ نوکری ان دونوں میں سے ہی کسی ایک کو ملے گی مگر انھیں نا امید لوٹنا پڑا کیونکہ اس نوکری کے لیے شرطِ اول یہ تھی کہ معلم (ٹیچر) کو انگریزی کے ساتھ اردو بھی آنی چاہیے کیونکہ اردو کے طلبا کو انگریزی پڑھانی تھی، اور زید کے ساتھی اردو زبان نہیں جانتے تھے، جبکہ زید اردو کے ساتھ انگریزی بھی بخوبی جانتا تھا۔ انٹرویو میں پاس ہونے کے بعد نوکری کا لیٹر لے کر جب زید آفس سے باہر آیا، فہیم اور ارسلان باہر ہی کرسی پر بیٹھے تھے۔ زید نے اپنے دوستوں کو خوشخبری دیتے ہوئے کہا دوستو! آج اس کا احساس ہوا کہ اردو میڈیم سے پڑھنا کتنا فائدے مند ہے۔ اردو میڈیم سے پڑھنے والے اردو، ہندی، اور انگریزی کے طلبا کو پڑھانے کی قابلیت رکھتے ہیں جبکہ انگریزی اور ہندی سے تعلیم یافتہ اردو میڈیم کے طلباء کو نہیں پڑھا سکتے۔ فہیم اور ارسلان نے بھیگی ہوئی نظروں سے زید کی طرف دیکھا اور دونوں نے یک زبان کہا بے شک اردو پڑھنے والا کامیاب ہے۔

■

Mohammad Musanna Haris Ansari
Ghazi Salar Maidan, Mominpura
Burhanpur - 450331 (MP)

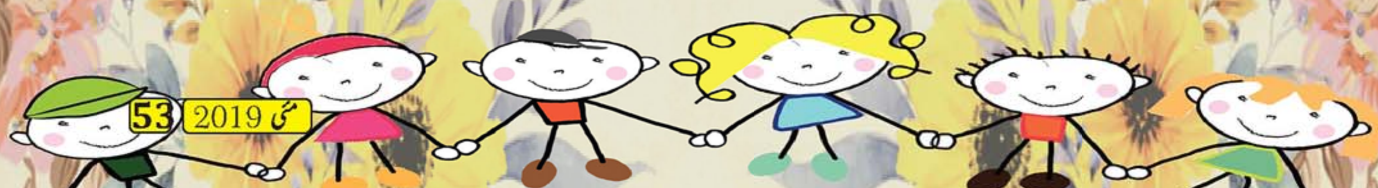
اچھی باتیں



- اختلافات پر صبر کرنا اور دوسروں کو برداشت کرنا ہی اخلاق ہے۔
- اخلاق ایک دوکان ہے اور زبان اس کا تالا۔ تالا کھلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دوکان سونے کی ہے یا کوئلے کی۔
- اپنی زبان کو سلام کرنے کا عادی بنا لو۔ اس سے دوست بڑھتے ہیں اور دشمن کم ہوتے ہیں۔
- اگر آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے تو اپنے ہونٹوں پر صرف ایک مسکراہٹ ہی سجا لو۔ یقین رکھو کہ آپ کا یہ تحفہ ہر شے سے قیمتی ہوگا۔
- انسان کی انسانیت تب ختم ہوتی ہے جب اسے دوسروں کے دکھ پر ہنسی آنے لگے۔

■

Fazila Ulfat
D/o Shafiqur Rahman
Faheem Manzil, Domanpura
Mau Nath Bhanjan (UP)



ظہیر نیازی

غلام محمد گاما



گاما پہلوان کا نام ہم نے بچپن میں سنا تھا۔

جب ہم بڑے ہوئے تو ہم نے گاما پہلوان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانکاری حاصل کی۔ تاریخ کی اہم اور مستند کتابوں میں رستم پہلوان کا نام نامی درج ہے۔ گاما بھی 'رستم ہند' کہلائے۔ان کا اصل نام غلام محمد تھا۔ تاریخ پیدائش:24 مئی1878، مقام پیدائش: امرتسر، پنجاب

پہلی کشتی جب لڑی تھی تو ان کی عمر تھی صرف دس سال۔ تھرٹین ٹو نائنٹین کو ٹین ایجر کہتے ہیں نا؟ نائنٹین یعنی انیس برس کے ہوتے ہوتے غلام محمد گاما نے ہندوستان کے ایک سے ایک مشہور و معروف پہلوانوں کو ہرا دیا تھا۔ جہاں بلندیاں دیکھیں گاما نے وہاں پستیاں بھی دیکھیں۔1947 کے بے حد برے زمانے میں گاما لاہور کی 'موہنی گلی' میں رہائش پذیر تھے۔ اس گلی میں غیر مسلموں کی جان بڑے خطرے میں تھی۔غلام محمد گاما نے اعلان کیا: اِس گلی کے سبھی باسی میرے بھائی ہیں، دیکھیں، ان پر کون آنکھ یا ہاتھ اٹھاتا ہے۔'' اِس اعلان کے باوجود کچھ فرقہ پرست لوگ گلی کے مہانے پر آ کر کھڑے ہو گئے خونی آنکھوں کے ساتھ! وہاں گاما پہلوان اپنے لائق و فائق شاگردوں کے ساتھ اپنے ہندو بھائیوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ حملے کی بدنیتی سے جیسے ہی ایک مسٹنڈا آگے بڑھا، گاما نے اسے ایسی چپت لگائی کہ باقیوں کی گھگھی بندھ گئی!!! حالات جب قابو سے باہر ہو گئے تو گاما نے اپنی گلی کے ہندوؤں کو اپنے پیسوں سے پاکستان سے ہندوستان بھجوایا، یہ لوگ گاما کا گن گاتے، کہتے: گاما ہی تھے جن کی گلی کے کسی ایک باشندے (ہندو) کو خراش تک نہیں آئی؟!'' 1947 والے انتہائی المناک زمانے میں گاما69 برس کے ہو چکے تھے، اس عمر میں بھی انھوں نے اپنے پڑوسیوں کی ٹھیک اسی طرح مدد کی جس طرح کی ہدایت ہے اسلام میں۔







اللہ نے بڑا کرم فرمایا یہ بھی کہ غلام محمد گاما نے تا زندگی شکست کا منہ نہیں دیکھا (تا زندگی نہیں ہارے، کبھی نہیں، ایک بار بھی نہیں)۔ گہرے رنج وغم کی بات یہ ہے کہ گاما کا بڑھاپا بھی غریبی میں گزرا— بہت سی عظیم ہستیوں کی طرح! مجھے اپنے مکمل بڑھاپے میں بھی کچھ باتیں یاد آتی اور سکھ پہنچاتی ہیں مثلاً یہ کہ گھنشیام داس برلا نے ایک بار دو ہزار روپے کی یک مشت رقم گاما کی نذر کی اور تین سو روپے ماہوار پنشن باندھ دی تھی۔

کئی ہستیوں کے آخری ایام کی یاد آتی رہتی ہے۔ مثلاً عطیہ فیضی کی ’گوہر قیوم ماما جی والا کی، ٹین ایجر گلوکار ماسٹر مدن کی، گمنام فنکارہ جو خانقاہِ عالیہ نیازیہ بریلی شریف کے باغ میں پڑی رہتی تھیں...

Mr. Zaheer Niyazi
Teacher's Colony, P.O: River Side Bhurkunda
Distt: Ramgarh, - 829135 (Jharkhand)



سنہری باتیں

- دنیا میں کوئی رشتہ ماں سے زیادہ پیارا نہیں۔
- بچے کے لیے سب سے اچھی جگہ ماں کی گود ہے۔
- ماں کی نافرمانی کرنے والا کبھی سکون نہ پائے گا۔
- ماں کا غصہ وقتی ہوتا ہے جو فوراً زائل ہو جاتا ہے۔
- ماں کا پیار کسی کو دکھانے یا بتانے کا نہیں ہوتا ہے۔
- ماں کی اطاعت کرنے والا جنت میں جائے گا۔
- ماں کے بغیر گھر ویران ہوتا ہے۔
- ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔
- ماں خدا کا عظیم تحفہ ہے۔
- دنیا کی سب سے بڑی ہستی ماں اور صرف ماں ہے۔
- ماں وہ انمول موتی ہے جو ایک بار کھو جانے کے بعد دوبارہ نہیں ملتا۔
- ماں کے بغیر گھر قبرستان ہے۔
- مالی نے کہا ماں گلشن کا دلکش پھول ہے۔
- آسمان نے کہا ماں زمین پر اللہ تعالیٰ کا خوبصورت تحفہ ہے۔
- شاعر نے کہا ماں ایک ایسی غزل ہے جو ہر دل میں سما جاتی ہے۔
- بادل نے کہا ماں ایک ایسی دھنک ہے جس میں ہر رنگ نظر آتا ہے۔
- چاند نے کہا ماں ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی اولاد کے لاکھوں راز اپنے دل کی گہرائیوں میں چھپا لیتی ہے۔

■

Annajan Nisar Ahmad Naik
6th Class, G.U.H.P. School
No:2 Bailhongal

مور



مور ہمارا قومی پرندہ ہے۔ یہ تمام پرندوں میں خوبصورت سمجھا جاتا ہے۔ اس کا رنگ نیلا اور سبز ہوتا ہے۔ گردن لمبی اور پتلی ہوتی ہے۔ اس پر ایک کلغی ہوتی ہے جو تاج کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اپنی دم کو پنکھے کی طرح پھیلا سکتا ہے۔ اس کے پر لمبے لمبے اور رنگ برنگے ہوتے ہیں۔ مور کھیتوں میں گھومتا ہے اور درختوں پر رہتا ہے۔ یہ اناج اور کیڑے مکوڑے کھاتا ہے۔ یہ سانپ کا دشمن ہے اس لیے کسان اس کو پالتے ہیں۔

مور کے پروں سے رنگین پنکھے، تاج اور سجاوٹ کی مختلف چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ بچوں کو مور بہت پسند ہوتے ہیں۔

آج کل لوگ پروں کے لیے ان کو مار ڈالتے ہیں۔ اس طرح یہ خوبصورت پرندہ ایک خطرناک دور سے گزر رہا ہے۔ مور کی حفاظت کے لیے حکومت نے مور کے شکار کو 'جرم' قرار دیا ہے۔ مور کے شکاری کو جرمانہ بھرنے کے علاوہ جیل بھی ہو سکتی ہے۔ ہمارے قومی پرندے کی حفاظت کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔

■

مرسلہ: مشتاق احمد
درجہ ششم، جی یو اچ پی اسکول، مہاراشٹر

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔





جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں



ہنسی کے غبارے

ایک دفعہ ایک بحری جہاز حادثے کا شکار ہوگیا۔ اتفاق سے تین آدمی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ ایک بیابان جزیرے پر پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک آدمی کو ایک چراغ ملا۔ اسے رگڑنے پر ایک جن حاضر ہوا۔ وہ تینوں جن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جن نے ان سے کہا: ''میں تمھاری ایک ایک خواہش پوری کرسکتا ہوں۔''

تینوں یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ پہلا آدمی بولا: ''مجھے میرے والدین کے پاس لے چلو۔''

جن نے اس کی خواہش پوری کردی۔

دوسرا آدمی بولا: ''مجھے میرے بیوی بچوں کے پاس لے چلو۔''

جن نے اس کی خواہش بھی پوری کردی۔

پھر جن نے تیسرے آدمی سے اس کی خواہش پوچھی تو اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا: ''میرا دل ان دونوں کے بغیر نہیں لگ رہا، ایسا کرو تم ان دونوں کو واپس لے آؤ۔''



ایک شخص نے پاگل خانے کی سیر کرتے ہوئے ایک پاگل سے پوچھا: ''تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

پاگل نے جواب دیا: ''اس کمبخت جمہوری نظام کی وجہ سے۔''

وہ شخص: ''وہ کیسے؟''

پاگل: ''لوگ کہتے ہیں کہ میں پاگل ہوں اور میں کہتا تھا کہ لوگ پاگل ہیں۔''

وہ شخص: ''پھر کیا ہوا؟''

پاگل: ''ہونا کیا تھا؟'' اُن کے حق میں ووٹ زیادہ پڑ گئے۔



باپ نے بیٹی سے پوچھا: ''بتاؤ مرچوں میں کون سا وِٹامن پایا جاتا ہے؟''

بیٹی نے جواب دیا: ''وٹامن سی''

باپ: ''وہ کیسے؟''

بیٹی: ''کیونکہ جب ہم مرچیں کھاتے ہیں تو سی سی کرتے ہیں۔''



ایک بھکاری (راہ گیر سے): جناب! میں نے ایک کتاب 'روپے کمانے کے سو آسان طریقے' لکھی ہے۔ میں کوئی معمولی بھکاری نہیں ہوں۔

راہ گیر نے حیران ہوکر پوچھا: ''تو پھر بھیک کیوں مانگتے ہو؟''

بھکاری بولا: ''یہ اس کی سب سے آسان ترکیب ہے۔''



ایمن الطاف حسین عطار

نقیدہ ذاکر حسین مکاندار

بیوقوف ریچھ



ایک مرتبہ ایک ریچھ اور لومڑی دونوں نے مل کر کھیتی کرنے کی سوچی۔ لومڑی بہت چالاک تھی اور ریچھ کم عقل تھا۔ لومڑی نے ریچھ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ ''زمین کے اوپر والی فصل کا حصہ میرا ہوگا اور زمین کے نیچے والا حصہ تمھارا ہوگا۔ پہلی مرتبہ دونوں نے کنکری اگائی، کنکریاں لومڑی کے اور جڑیں ریچھ کے حق میں آئیں۔ اس سے ریچھ بہت اداس ہوا اور کہا ''آئندہ زمین کے اوپر والا حصہ میرا اور زمین کے نیچے والا حصہ تمھارا ہوگا۔ چالاک لومڑی نے اس کو قبول کرلیا اور شکر قند اگانے کی صلاح دی۔ اس مرتبہ شکرقند اگائی اب لومڑی کے حصے میں شکرقند اور ریچھ کے حصے میں بیل، پھول اور پتے آئے۔ ریچھ بہت اداس ہوا اور دھوکے باز لومری کی دوستی توڑ کر چلا گیا۔ کسی نے صحیح کہا ہے:

''بیوقوف کی کمائی عقل مند کی غذا ہے۔''

■

مرسلہ:

ایمن الطاف حسین عطار

جماعت: ششم

GUHS PS No-2 بیل ہونگل

بدلتا غار

ہر روز کی طرح شام کے وقت لومڑی اپنے غار کے پاس آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ غار کی راہ میں شیر کے پیر کے نشان ہیں۔ وہ غور سے دیکھنے لگی۔ اس کو شیر کی واپسی والے پیر کے نشان نظر نہیں آئے۔

شیر غار میں ہی ہے۔ یہ جاننے کے لیے اس نے ایک ترکیب سوچی اور کہنے لگی ''او! غار کے بادشاہ کیا میں اندر آؤں؟''

غار میں سورہا بوڑھا شیر دھیمی آواز میں بولا آؤ! آؤ! اندر آجاؤ۔

یہ سن کر لومڑی جان گئی کہ غار میں شیر موجود ہے۔ فوراً وہ وہاں سے بھاگ گئی۔

''جو چالاک ہوتا ہے وہ خطرے سے محفوظ رہتا ہے۔''

■

مرسلہ:

نقیدہ ذاکر حسین مکاندار

درجہ ششم، سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2 بیل ہونگل

کرناٹک



ننھے فنکار



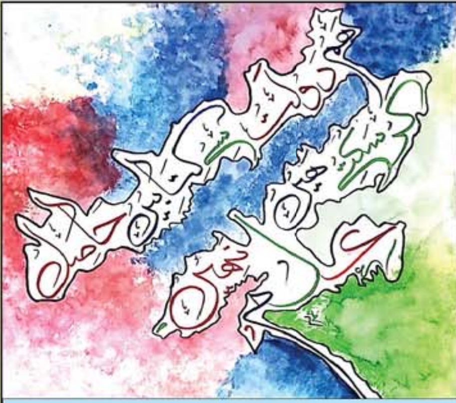
طلعت ادیبہ وسیم، درجہ نہم (اے)، مہاراشٹر



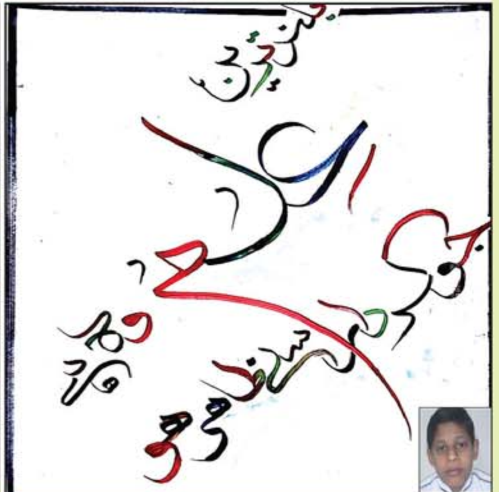
مہ جبین بنت محمد ناظم، رائے پور، مہاراشٹر



صاب خان نورالدین خان، درجہ سوم، این پی یو، پرائمری اسکول، نمبر 5



انصاری عالیہ عابد، درجہ نہم (اے)، مہاراشٹر



انصاری شاہین غوث محمد، درجہ ہشتم (اے)، مہاراشٹر



بیگ ثانیہ ناصر بیگ، راجیو گاندھی اردو پرائری اسکول، اورنگ آباد مہاراشٹر





محمود بن قاسم، درجہ: ششم (ڈی)
مڈل اسکول، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی 25



میسرہ شیخ شاہد، راجیو گاندھی اردو پرائمری اسکول، ہڈکو، اورنگ آباد، مہاراشٹر



ابوذر عثمانی ڈاکٹر ابن ڈاکٹر عبدالحسیب انصاری، درجہ ششم
سینٹ جانسفن پبلک اسکول، انپور نیشوری نگر، بنگلور (کرناٹک)



بشریٰ فاطمہ غوث احمد، درجہ ہشتم، مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول
ضلع ناندیڑ، مہاراشٹر



تنظیمہ عبدالقیوم، صدیق اردو پرائمری اسکول
تعلقہ بدناپور، جالنہ، مہاراشٹر



محمد توحید علی خان، درجہ پنجم، پربھنی مہاراشٹر





نھے فنکار

اردو فیس بک facebook

میرا نام منیوہ ہے۔ بی زیڈ اردو جونیئر کالج 11ویں سائنس میں زیر تعلیم ہوں۔ بچوں کی دنیا واقعی قابل تعریف رسالہ ہے۔ اس نے بچوں ہی نہیں بڑوں کے دلوں پر بھی راج کررکھا ہے۔ مجھے ہر مہینے اس کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے۔

منیوہ محمود عالم، بی زیڈ اردو جونیئر کالج، مہاراشٹر

میرا نام نبیل مبشر ہے۔ میں کیرل کا رہنے والا ہوں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ ہر مہینے یہ میگزین ہمارے یہاں آتی ہے اور میرے کالج کے سارے بچے اسے بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ابھی بھی میرے سامنے جنوری کا نیا شمارہ موجود ہے۔ اس کی ساری کہانیاں، نظمیں اور مضامین دلچسپ ہیں اور معلومات کا ذریعہ ہیں۔ حمید ادیبی نانڈوری کا مضمون 'جان ہے تو جہان ہے' بہت ہی دلچسپ ہے۔ میری تعلیم میں بچوں کی دنیا' ایک اہم حصہ بن گیا ہے۔

نبیل مبشر، لواء الہدی واقی کالج ملاپرم، کیرل

مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے اور مجھے اس کی کہانیاں اور نظمیں اچھی لگتی ہیں۔

مبشرہ انجم محمد اکبر قریشی، درجہ ششم، مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، مہاراشٹر

میرا نام کنیز فاطمہ ہے اور میں بچوں کی دنیا ایک سال سے بہت دلچسپی اور خوشی کے ساتھ پڑھتی ہوں۔ یہ رسالہ جتنا خوبصورت ہے اتنا ہی اس رسالے کی کہانیاں کہیں زیادہ مزے دار اور دلچسپ ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ رسالہ میرے دل کا ایک حصہ ہے۔ اللہ اس رسالے کو دن رات ترقی کے منازل طے کرائے۔ آمین۔

کنیز فاطمہ، سمستی پور، تاجپور، بہار

میرا نام فاطمہ زہرا ہے۔ میں جونیئر کالج کی طالبہ ہوں۔ 'بچوں کی دنیا' ایک ایسا رسالہ ہے جس نے ہر کسی کا دل جیت لیا ہے۔ میں اسے ہر ماہ بہت دلچسپی اور پابندی سے پڑھتی ہوں۔ مجھے اس رسالے کی نظمیں اور قسط وار ناول بہت پسند ہیں۔ ہماری کلاس کے بہت سارے بچے اس رسالے کو خریدتے ہیں اور بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

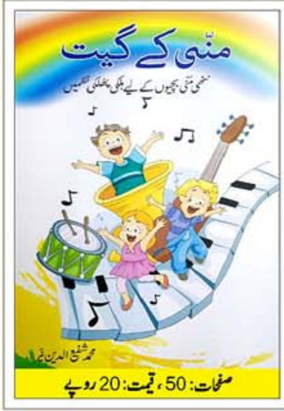
فاطمہ زہرا کے ایم، اصغر حسین جونیئر کالج، اکولہ، مہاراشٹر

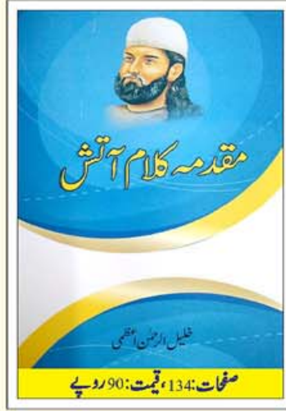
مجھے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے اور میں ہر ماہ اس کو پابندی سے پڑھتی ہوں۔ اس میں ایک کالم 'ننھے فنکار' کے نام سے بہت پسند آیا۔

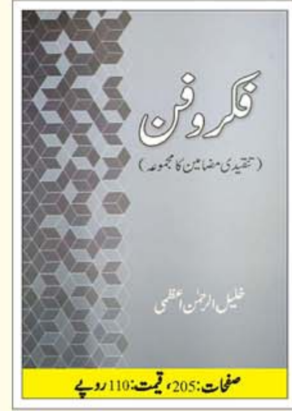
روحی انجم، درجہ پنجم، مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، ناندیڑ، مہاراشٹر

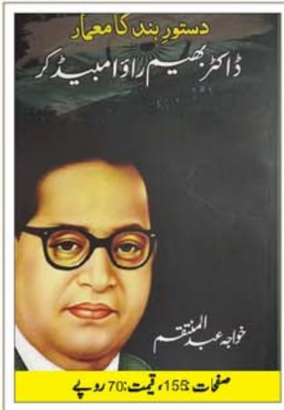


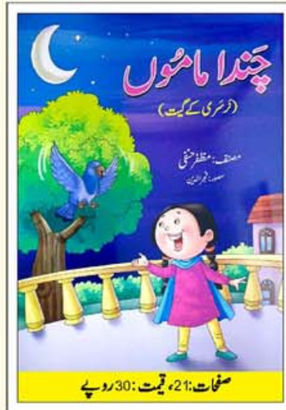
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات



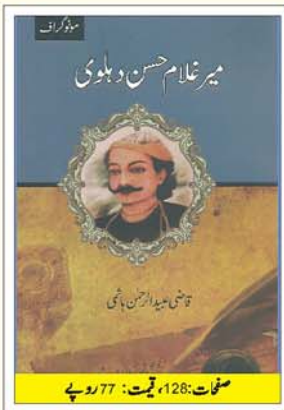


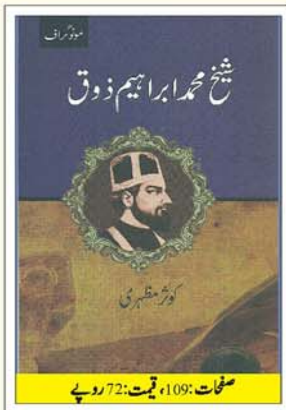


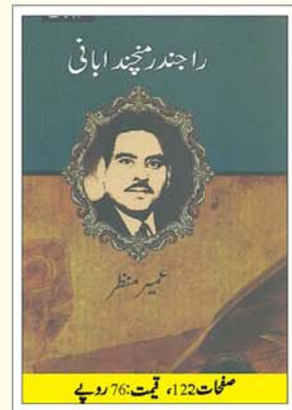












شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی - 110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, May 2019, Vol. 07, Issue: 05
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/04/19
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month



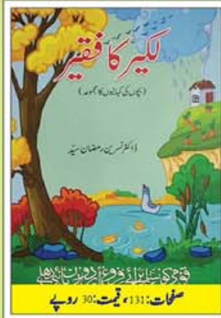
بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

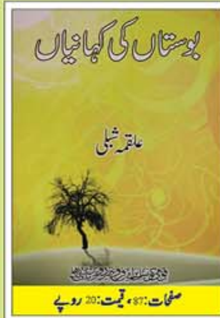




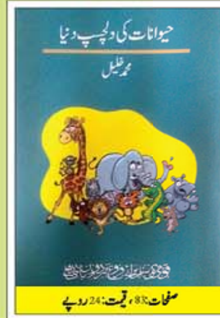












خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.